دیوانِ مومن

حکیم محمد مومن خاں مومن دہلوی

مرتبہ

ڈاکٹر انوار الحسن

استاد شعبۂ عربی و فارسی لکھنؤ یونیورسٹی

ناشر

ادارۂ فروغ ادب اردو بازار دہلی

دیوانِ مومن

ترتیب وحالات : ڈاکٹر انوار الحسن

تعدادِ طباعت : پانچ سو

قیمت : پانچ روپے

سنہ طباعت : فروری سنہ ۱۹۷۱ء

طابع : جمال پرنٹنگ پریس - دہلی

ناشر : ادارہ صبح ادب - اُردو بازار - دہلی ۶

حکیم مومن خاں مومن

خاندانی حالات :-

مومن کے دادا حکیم نامدار خاں دو بھائی تھے۔ دوسرے بھائی کا نام حکیم کامدار خاں تھا۔ کشمیر کے ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جب سلطنتِ مغلیہ کا چراغِ زندگی ٹمٹما رہا تھا اس وقت دِلّی آئے اور دونوں بھائیوں کو شاہ عالم نے شاہی طبیبوں میں داخل کر لیا۔ اور پرگنہ نارنول میں چند گاؤں بطور جاگیر عطا کیے۔

یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عروج کا زمانہ تھا۔ بادشاہ کا اقتدار برائے نام تھا۔ اور سب کچھ انگریزوں کے ہاتھ میں تھا۔ جب انگریزوں نے جھجر کی ریاست نواب فیض طلب خاں کو دے دی تو پرگنہ نارنول بھی اسی میں چلا گیا۔ اور نواب فیض طلب خاں نے حکیم نامدار خاں کی جاگیر کے عوض ان کے وارثوں کے لئے ایک ہزار روپے سالانہ مقرر کر دیئے۔ یہ معاوضہ مومن کے والد حکیم غلام نبی خاں کو ملتا رہا اور ان کے بعد حکیم مومن خاں کو بھی ملا۔ اس کے علاوہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس خاندان کے چار طبیبوں کے لئے سو روپیہ ماہوار پنشن مقرر کی ان میں سے ایک مومن کے والد بھی تھے۔ پھر ان کے بعد یہ پنشن مومن کو ملتی رہی۔

مومن کے دادا جب دِلّی آئے تو چیلوں کے کوچے میں سکونت اختیار کی۔ مومن کے والد حکیم غلام نبی خاں بھی وہیں رہے اور مومن نے بھی اسی محلہ میں اقامت اختیار کی۔

ولادت اور تعلیم :

مومن ۱۸۰۰ء مطابق ۱۲۱۵ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ حکیم غلام نبی خاں کو شاہ عبدالعزیز دہلوی سے بڑی عقیدت تھی۔ شاہ صاحب نے ولادت کے بعد مومن کے کان میں آذان

دی اور نام بھی شاہ صاحب نے مومن خاں رکھا حالانکہ یہ نام گھر والوں کو پسند نہیں تھا۔ اور وہ سب "حبیب اللہ" نام رکھنا چاہتے تھے، لیکن ان کے والد نے شاہ صاحب کا رکھا ہوا نام پسند کیا۔

ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ پھر شاہ عبدالقادر کے پاس جانے لگے۔ جو شاہ عبدالعزیزؒ کے بھائی تھے۔ یہ خاندان اپنے علم و فضل کے باعث ساری اسلامی دُنیا میں معزز سمجھا جاتا تھا۔ مومن کی بڑی خوش نصیبی تھی کہ وہ ایک مشہور اور قابلِ عالم کے شاگرد ہوئے اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی صحبت سے بھی فیضیاب ہوتے رہے۔ عربی، فارسی دونوں زبانوں میں مہارت حاصل کی اور مروّجہ علوم بھی سیکھے۔

طب اور نجوم کی تعلیم :۔ علمِ طب مومن کا خاندانی ورثہ تھا۔ جب عربی زبان سے واقفیت حاصل کر چکے تو ان کے والد حکیم غلام نبی خاں نے طب کی تعلیم شروع کرائی۔ بعض کتابیں اپنے چچا غلام حیدر خاں اور حکیم غلام حسن خاں سے پڑھیں اور اپنی خداداد ذہانت کے باعث جلد ہی خاصی مہارت حاصل کر لی اور والد کے مطب میں بیٹھ کر نسخہ نویسی سیکھی پھر خود طبابت شروع کر دی۔ نجوم اور طب میں ایک خاص رابطہ و تعلق ہے۔ اور شاید اس کی اہمیت کے پیشِ نظر مومنؔ کو نجوم کی تحصیل میں غیر معمولی دلچسپی رہی اور اچھی لیاقت پیدا کر لی۔

دِلّی میں ان کی طبابت اور نجوم دانی کی بڑی شہرت تھی۔ علم نجوم میں قابلیت کا یہ عالم تھا کہ ان کے احکام سن کر بڑے بڑے منجم حیرت میں پڑ جاتے تھے۔ وہ کسی کا حال سُننے سے قبل اس کے حالات خود بتا دیتے تھے۔ "دِلّی کی آخری شمع" میں مرزا فرحت اللہ بیگ نے علم نجوم میں ان کی مہارت کا ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے۔ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

"ایک روز مومن خاں اپنی حویلی میں تشریف فرما تھے۔ ان کے ہندو شاگرد سکھانند بھی بیٹھے تھے۔ مومنؔ خاں نے کہا "میاں سکھانند تم بیٹھے انتظار کرتے رہو میں حکم لگا چکا ہوں کہ جب تک پورب کی طرف سے اس چھپکلی کا جوڑا نہ آجائے یہ دیوار سے

نہ جائے گی۔ اس کا جوڑ آئے پر آئے ...... یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک بنارس کا سوداگر کپڑوں کے دو گٹھے لے کر آیا۔ شہر میں جب کوئی آتا تو حکیم صاحب کے پاس اس کا آنا لازمی تھا۔ ریشمی کپڑوں سے ان کو عشق تھا، کوئی کپڑا پسند آتا تو پھر قیمت کی پرواہ نہیں کرتے تھے جو مانگتا دیتے۔ اس سوداگر نے گٹھڑی مزدور کے سر پر سے اتاری اس میں سے پٹ سے چھپکلی نیچے گری اور دوڑ کر سامنے کی دیوار پر چڑھ گئی۔ جو چھپکلی پہلے سے دیوار پر جمی بیٹھی تھی وہ لپک کر اس سے آملی اور دونوں مل ایک طرف چلے گئے"

مومن دیندار:۔ مومن اپنے مذہبی عقائد میں بہت پختہ تھے۔ ان کو مذہب سے شغف اور محبت تھی۔ اُن کی مذہبی تربیت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے گھرانے میں ہوئی تھی شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے صحبت یافتہ اور شاہ عبدالقادرؒ کے شاگرد تھے۔ اس لئے ان کا دیندار ہونا باعث تعجب نہیں ہاں یہ امر موجب حیرت ضرور ہے کہ ان میں رنگین مزاجی اور عشق بازی کے جذبات کیوں کر پیدا ہوئے، اور "زہد و تقویٰ" کا پیکر کیوں نہ بن سکے۔ مومنؔ سیّد احمد بریلویؒ کے مرید تھے۔ سیّد صاحبؒ اپنے دور کے ایک بڑے مجاہد تھے۔ جنھوں نے سکھوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔

اخلاق اور عادات:۔ مومن بہت خوش مزاج تھے، ان کی طبیعت میں چلبلا پن بے حد تھا، مزاج میں رنگینی تھی۔ اُردو شاعروں میں مومنؔ جیسا خوددار شاعر نظر نہیں آتا۔ انھوں نے کبھی کسی کا احسان لینا گوارا نہ کیا، نہ کسی بادشاہ اور امیر کی مدح میں قصیدے لکھے نہ کسی سے خفا ہو کر اس کی ہجو کہی۔ ان کے کلیاتؔ میں کل ۹ قصیدے ہیں۔ ایک حمد الٰہی میں اور ایک نعت میں اور پانچ منقبت میں۔ صرف دو مدحیہ قصیدے ہیں ایک راجہ پٹیالہ سردار اجیت سنگھ کی شان میں اور دوسرا ٹونک کے نواب وزیرالدولہ کی شان میں۔

پہلا قصیدہ لکھنے کا سبب یہ ہوا کہ ایک روز راجہ پٹیالہ جو دلّی میں رہتے تھے اپنے مصاحبوں کے ساتھ مکان کی چھت پر بیٹھے تھے۔ اتفاق سے مومنؔ اس طرف سے گذرے

مصاحبین نے راجہ کو بتایا کہ حکیم مومن یہی ہیں۔ راجہ صاحب کو ملنے کا اشتیاق تھا
آدمی کے ذریعہ سے بلوایا اور بڑی عزت کی اور دیر تک پاس بٹھا کر گفتگو کی، جب
مومن رخصت ہونے لگے تو راجہ نے ایک ہتھنی پر سوار کرایا اور وہ انہیں کو دے دی۔
اس کے شکریہ میں مومن نے قصیدہ لکھا۔

دوسرا قصیدہ اس لیے کہا تھا کہ نواب ٹونک نے ان کو اپنے یہاں بلایا مگر انھوں
نے معذرت کے طور پر قصیدہ لکھ کر بھیج دیا۔

ان دو قصیدوں کے علاوہ انھوں نے کسی کی خوشامدانہ مدح میں ایک شعر
بھی نہیں لکھا۔

راجہ کپورتھلہ نے ساڑھے تین سو روپے ماہوار تنخواہ پر اپنے یہاں بلایا
مگر انکار کر دیا۔ دہلی کالج کی پروفیسری پر بلائے گئے وہ بھی قبول نہیں کی۔ طبیعت
میں آزادی اور خودداری تھی۔ لالچ اور طمع سے دور تھے رامپور جہانگیر آباد اور
بھوپال کے رؤساء نے اپنے یہاں بلایا مگر انھوں نے کہیں جانا پسند نہ کیا۔

مومن بلا کے ذہین تھے، شطرنج کھیلنے میں ان کو مہارت تھی مولانا آزاد
نے آبِ حیات میں لکھا ہے کہ دِلّی کے مشہور شطرنج کے کھلاڑی کرامت علی خاں
سے مومن کی عزیز داری تھی۔ مومن بھی مشہور کھلاڑیوں میں تھے۔ اس عہد کے
مشہور عالم مولانا فضل حق خیرآبادی کو بھی شطرنج کا بہت شوق تھا، اور وہ
اکثر مومن کے ساتھ شطرنج کھیلتے تھے اور مومن ہمیشہ مولانا کو مات دیتے تھے۔
ایک بار مرزا غالب نے مولانا فضل حق رح سے اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے
کہا کہ مومن بھیڑیا ہے جسے اپنی قوت کی خبر نہیں۔ اگر وہ عشق و عاشقی کے
قصوں کو چھوڑ کر علمی مشغلوں میں پڑتا تو اس کے ذہن کی حقیقت معلوم
ہوتی۔

وضع ولباس

"دلّی کی آخری شمع،، میں مرزا فرحت اللہ بیگ نے مومن کی وضع قطع اور لباس کا حال بہت دلکش انداز میں لکھا ہے جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"کشیدہ قامت سرخ وسفید رنگ تھا جس میں سبزی جھلکتی تھی۔ بڑی بڑی روشن آنکھیں، لمبی لمبی پلکیں۔ گھنی بھویں۔ لمبی ستواں ناک پتلے پتلے ہونٹ ان پر پان کا لاکھا جما ہوا۔ مسّی آلودہ دانت۔ ہلکی ہلکی مونچھیں۔ خشخشی داڑھی۔ بھرے بھرے ڈنڈ۔ پتلی کمر، چوڑا سینہ اور لمبی انگلیاں۔ سر پر گھونگر والے لمبے لمبے بال کاکلوں کی شکل میں کچھ تو لپشت پر اور کچھ کندھوں پر پڑے ہوئے۔ کان کے قریب تھوڑے سے بالوں کو موڑ کر زلفیں، بنائی تھیں بدن پر شربتی ململ کا نیچی چولی کا انگرکھا تھا، لیکن اس کے نیچے کرتہ نہ تھا اور جسم کا کچھ حصّہ انگرکھے کے پردے میں دکھائی دیتا تھا گلے میں سیاہ رنگ کا فیتہ اس میں چھوٹا سا سنہری تعویذ۔ کاکریزی رنگ کے دوپٹہ کو بل دیکر کمر میں لپیٹ لیا تھا اور اس کے دونوں کونے سامنے پڑے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں پتلا سا خار پشت، پاؤں میں سُرخ گلبدن کا پاجامہ جُھریوں پر سے تنگ، اوپر سے کسی قدر ڈھیلا۔ کبھی کبھی ایک بر کا پاجامہ بھی پہنتے تھے۔ مگر کسی قسم کا بھی ہو ہمیشہ ریشمی اور قیمتی ہوتا تھا۔ سُرخ چوڑا نیفہ۔ انگرکھے کی آستین آگے سے کٹی ہوئی، کبھی لٹکتی رہتی تھیں۔ کبھی پلٹ کر چڑھا لیتے تھے۔ سر پر گلشن کی بڑی دو پلڑی ٹوپی، اس کے کنارے پر باریک لیس۔ ٹوپی اتنی بڑی تھی کہ سر پر اچھی طرح منڈھ کر آگئی تھی، اندر سے مانگ اور ماتھے کا کچھ حصّہ اور بال صاف جھلکتے تھے۔ غرض یہ کہ نہایت خوش پوشاک اور جامہ زیب آدمی تھے۔،،

عام حالات

مومن کا شمار دہلی کے معزّز لوگوں میں ہوتا تھا۔ ایک طبیب کی حیثیت سے بھی وہ بہت مشہور اور مقبول تھے۔ لیکن طبابت

کو انھوں نے ذریعۂ معاش نہیں بنایا ایسٹ انڈیا کمپنی سے پنشن میں سے بھی حصّہ ملتا تھا جو نواب فیض طلب خاں کے یہاں سے جاگیر کے عوض جاری ہوئی تھی اسی آمدنی پر جو تقریباً سوا سو سے زیادہ نہ تھی گذر کرتے تھے اور بہت شان و شوکت سے رہتے تھے۔

مومنؔ کی شادی خواجہ میر دردؔ دہلوی کے خاندان میں ہوئی تھی جو خدا رسیدہ بزرگوں کا خاندان سمجھا جاتا تھا۔ خواجہ میر دردؔ کے نواسے خواجہ محمد نصیر کی لڑکی سے مومن کا عقد ہوا۔ مومن کی خوشدامن خواجہ میر درد کی پوتی تھیں۔ مومنؔ کی اولاد میں ایک لڑکا احمد نصیر اور ایک لڑکی محمدی[لہ] بیگم تھی۔

مومنؔ نے دہلی سے باہر تین چار بار سفر کیا وہ بھی احباب کے اصرار سے اور دِلّی کے باہر کبھی ان کا دل نہ لگا۔ ایک دو بار ذاتی ضروریات سے بھی سفر کیا۔ رام پور، جہانگیر آباد۔ بدایوں اور سہسوان گئے اور بہت کم عرصہ ایک جگہ قیام کیا

وفات مومن کا انتقال ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں ہوا انتقال سے پانچ ماہ قبل وہ کوٹھے سے گر پڑے تھے اور اسی چوٹ کی تکلیف میں راہی عدم ہوئے انھوں نے علم نجوم کے حساب سے پیشنگوئی کی تھی کہ پانچ دن یا پانچ ماہ، یا پانچ سال میں مرجاؤں گا۔ اور اسی کے پانچ ماہ بعد چل بسے۔ اپنے گرنے کی تاریخ خود فارسی میں نکالی تھی کہ "دستِ شکست و بازو"

سنہ ۱۲۶۸ھ

لہ مومنؔ مرحوم کی بیٹی محمدی بیگم کا عقد مولوی عبدالغنی وکیل سیتاپور (اودھ) سے ہوا محمدی بیگم نے ۱۳۹۲ھ میں انتقال کیا۔ ان کی اولاد میں سید نام حبیب ہیں اور ان کی دختر مہر فاطمہ صاحبہ ہیں۔ مومنؔ کے صاحبزادے احمد نصیر کا ایک لڑکا محمد نصیر اور ایک لڑکی عزیز بیگم ہیں۔

(ماخوذ مقدمہ دیوان مومن از ضیا احمد بدایونی۔ صفحہ ۲۰)

مومنؔ کو شاہ عبدالعزیز صاحب کے مقبرے کے احاطے کی دیوار کے نیچے دفن کیا گیا۔

مومنؔ کے انتقال کا ان کے معاصر شعراء اور اہلِ علم کو بہت غم ہوا مرزا غالبؔ پر بھی بہت اثر ہوا۔ اپنے جذبات رنج و غم کا اظہار غالبؔ نے ایک فارسی رباعی میں کیا ہے۔

شاعری کا شوق

مومن نے ہوش سنبھالا تو دلّی میں شعر و شاعری کا ہر طرف چرچا تھا۔ مومن نے ایک خوشحال گھرانے میں پرورش پائی تھی۔ عیش و آرام نے ان میں رنگین مزاجی پیدا کر دی تھی۔ ان کا ماحول ان کے لئے حسن و عشق کا گہوارہ بن گیا اور مومنؔ کی فطرت میں جو شاعرانہ صلاحیتیں تھیں وہ اُجاگر ہونے لگیں، ابتدا میں مشہور شاعر شاہ نصیرؔ سے اصلاح لیتے رہے اور کچھ عرصے بعد ان کی نازک خیالی اور بلند پروازی نے اُن کو شہرت عطا کی۔ اپنی غزلیں وہ ترنّم سے پڑھتے تھے۔ نہایت خوش الحان تھے آواز میں درد اور اثر تھا پڑھتے پڑھتے جھومنے لگتے تھے۔ سننے والوں پر محویت طاری ہو جاتی تھی۔

تصنیفات

مومن کا اردو کلام "کلیاتِ مومن" کے نام سے موجود ہے۔ ایک فارسی دیوان ہے اور انشاءِ فارسی کے نام سے فارسی میں ایک کتاب ان کی یادگار ہے۔

مومن کی شاعری

مومنؔ اُردو کے اُن چند باکمال شاعروں میں شمار کیے جاتے ہیں جن کی بدولت اُردو شاعری کو عزّت، شہرت اور ترقی نصیب ہوئی اردو میں صنفِ غزل سب سے زیادہ مقبول ہے اور مومن نے اس صنف کو ایسا عروج بخشا اور اس میں اُستادانہ جوہر دکھائے کہ کوئی ان کی ہمسری نہ کر سکا۔

غزل مومنؔ کا سرمایۂ زندگی ہے۔ جس نے ان کو شعراءِ اردو کی صفِ اوّل

میں جگہ دی اور ایک امتیازی شان بخشی موؔمن نے دیگر اصناف کلام میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔

قصیدہ موؔمن نے کل نو قصیدے لکھے جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ یہ قصیدے ان کے مطبوعہ کلیات میں موجود ہیں۔

مثنوی موؔمن نے متعدد مثنویاں لکھی ہیں۔ کچھ عشق و محبت کی داستانیں ہیں بعض میں حمد و نعت اور جہاد کے مضامین ہیں۔ عشقیہ مثنویوں میں موؔمن کا رنگ تغزل نمایاں ہے۔ مطبوعہ کلیات میں دس مثنویاں ہیں۔

رُباعی موؔمن کی مطبوعہ رباعیات کی تعداد ۱۳۱ ہے کچھ عشق و محبت کے متعلق ہیں اور کچھ مذہبی عقائد کے بارے میں موؔمن کی رباعیات میں کوئی خاص بات نہیں جو قابل ذکر ہو۔

قطعہ موؔمن کے ۲۳ قطعات ہیں اور بہت اچھے ہیں خصوصاً ان کے تاریخی قطعات اور ان میں ایسی باریکیاں پیدا کی ہیں جن کی مثال ملنا مشکل ہے ان اصناف کے علاوہ مسدس، مخمس وغیرہ بھی ہیں۔

غزل غزل اُردو اصناف سخن میں سب سے زیادہ مقبول ہے، اس کی موافقت اور مخالفت میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ لیکن اس کی فوقیت اب تک مسلّم ہے، اس صنف کے اساتذہ میں میر تقی میر کی شخصیت سب سے زیادہ قد آور نظر آتی، لیکن میؔر اپنے جذباتِ تغزل کے نشہ میں اس قدر مست رہے کہ انھوں نے الفاظ کے اہتمام کی چنداں ضرورت نہیں محسوس کی یا اس طرف متوجہ نہیں ہوئے،، موؔمن اُردو غزل گو شعراء میں اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ انھوں نے جذبات کے ساتھ قیود و پابندی کے باوجود آورد میں آمد کا رنگ پیدا کر کے ادبی دنیا کے سامنے ایک نئی چیز پیش کی۔ وہ رنگ تغزل میں جس بلندی پر پہنچ گئے وہاں تک ان کا کوئی حریف مقابل نظر نہیں آتا۔ فارسی

شعراء کی تقلید میں عام طور سے بلند پایہ اُردو شعرائے، غزل میں فلسفہ، تصوّف اور اخلاق کے متعلق مضامین نظم کیے ہیں حالانکہ نفسِ غزل کی بنیاد عشق و محبت کے جذبات و واردات کے اظہار پر ہے دوسرے مضامین بیان کرنے کی صورت میں غزل کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ مومنؔ نے غزل کو اس کے اصل موضوع و مفہوم کے دائرے میں رکھا۔ یہ ان کا سب سے بڑا کارنامہ اور اہم خصوصیت ہے۔ انہوں نے غزل میں جس طرح مناسب الفاظ کا اہتمام کیا ہے اس کا اندازہ ان اشعار سے ہو سکتا ہے۔

ایسی لذّت خلشِ دل میں کہاں ہوتی ہے
رہ گیا سینہ میں اس کا کوئی پیکاں ہو گا

درد ہے، جان کے عوض، ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہو گا

سینہ سے گھبرا کے آخر جان لب تک آگئی
حال پہونچا یاں تلک اور تم نہ آئے یاں تلک

آخری شعر کے دونوں مصرعوں میں "یاں تلک" آیا ہے لیکن معنوی فرق پر غور کرنے سے مومنؔ کے کمال کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسے خو پڑ گئی ہے بیطرح زانوئے جاناں کی
یہ سر تکیہ پہ ہمدم جس طرح رکھوں نہ ٹھہرے گا

جس طرح غزل میں جذبات کے اظہار کے لئے درد، و خلش، بیتابی و بیکسی کے لئے الفاظ مخصوص ہوتے ہیں، اسی طرح معانی کا معاملہ بھی ہے، مومنؔ کی غزلوں میں اس کا لحاظ بھی اسی اعتبار سے ملتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل
تم سے بیرحم پہ مرنے سے تو آسان ہو گا

جذبۂ دل کو نہ چھاتی سے لگاؤں کیونکر
آپ وہ مرے گلے دوڑ کے اک بار لگا

زبان کی سلاست و روانی، مومن کی اہم خصوصیت ہے۔

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا　　رنج راحت فزا نہیں ہوتا

آسمان راہ پر نہیں آتا　　دعویٔ خضر بے دلیل ہوا

اس کے اٹھتے ہی ہم جہاں سے اٹھے　　کیا قیامت ہے دل کا اجانا

فلسفیانہ اور صوفیانہ مضامین اکثر غزل گو شعراء نے نظم کئے ہیں، مومن کے یہاں خالص تغزل پایا جاتا ہے۔ تاہم اسی رنگ میں کہیں کہیں فلسفیانہ موشگافیوں کی جھلک نظر آجاتی ہے۔ کیونکہ مومن نجوم و حکمت اور اسلامی علوم سے اچھی طرح واقف تھے۔ کہتے ہیں۔

کیوں سنئے عرض مومن مضطر　　صنم آخر خدا نہیں ہوتا

آخر امید ہی سے چارۂ حرماں ہوگا　　مرگ کی آس پہ جینا شب ہجراں ہوگا

تو نے جو خدا یاد دلایا مومن　　شکوہ جور بتان دل سے فراموش ہوا

ایک اہم خصوصیت مومن کے یہاں معاملہ بندی کی ہے اردو میں معاملہ بندی کے رنگ کو جرأت نے سب سے زیادہ برتا اور پروان چڑھایا لیکن ان کے یہاں، ابتذال اور سوقیت بہت زیادہ ہے مومن نے معاملہ بندی کو بھی اپنایا مگر بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ اور دہلی کی سنجیدہ تہذیب اور متانت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔"

وصل کی شب شام سے میں سو گیا　　جاگنا ہجراں کا بلا ہو گیا

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں — سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں

بیوفائی کا عدو کی ہے گلہ — لطف میں ہی وہ ستاتے ہیں مجھے

مومن کی شاعری داخلی ہے بخلاف اس کے لکھنؤ کے شعراء خارجی مضامین جو حسن وعشق اور ان کے لوازمات سے متعلق ہیں، زیادہ بیان کرتے تھے اسی لئے ان کے کلام میں تاثیر نہیں، مومن نے حسن وعشق کے جذبات، احساسات اور واردات کو داخلی انداز میں نظم کیا ہے۔ اسی لئے ان میں درد واثر ہے۔ چند اشعار پیشِ نظر ہیں ان میں (لطیف طنز بھی ہے)۔

یارب وصالِ یار میں کیوں کر ہو زندگی — نکلی ہی جان جاتی ہے ہر، ہر ادا کے ساتھ

شبِ ہجر میں کیا ہجومِ بلا ہے — زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

کیسے گلے رقیب کے کیا طعنِ اقربا — تیرا ہی دل نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

عشق پردہ نشین میں مرتے ہیں — زندگی پردہ در نہ ہوجائے

مومن کے یہاں طنز کی جانشینی بھی خوب ہے، طنز تغزّل کا خاص جزء ہے۔ مومن نے اردو شعرأ میں طنز کو سب سے بہتر طریقہ پر برتا ہے۔ ہجو سے تو انہوں نے اپنا دامن بچائے رکھا۔ لیکن طنز میں اپنے شاعرانہ کمالات کا اظہار خوب کیا ہے۔

کر علاجِ جوشِ وحشت چارہ گر — لادے اک جنگل مجھے بازار سے

رحم فلک، اور میرے حال پر — تونے کرم اے ستم آرا کیا

مومنؔ کے اشعار میں علمی اصطلاحات، نئی ترکیبیں، انوکھی بندشیں بہت ہیں، یہ بھی ان کی قابل قدر خصوصیت ہے۔

مومنؔ نے غزل کے ہر رخ کو سامنے رکھکر شعر کہے ہیں، ان کے اشعار عاشقانہ بھی ہیں اور رندانہ بھی ان کے یہاں طنز و ظرافت کی دلکش آمیزش بڑا لطف دیتی ہے، واعظ و ناصح کو مخاطب کرنا اردو شاعری کی خاص روایت ہے۔ جو فارسی شاعری کے ذریعہ آئی بڑے بڑے شعرا نے سنجیدگی اور شائستگی کے باوجود ناصح اور واعظ کو نہایت مبتذل الفاظ میں مخاطب کیا ہے، تہذیب و متانت کا بالکل خیال نہیں رکھا۔ یہاں تک کہ میر تقی میرؔ نے بھی یہی رنگ اختیار کیا۔ لیکن مومنؔ نے اس میں بھی سنجیدگی و وقار کا دامن نہیں چھوڑا، یہ ان کا بہت بڑا کمال ہے۔ فرماتے ہیں۔

اس وسعتِ کلام سے جی تنگ آگیا ناصح تو مری جان نہ لے۔ دل گیا، گیا

کیا پوچھتا ہے تلخیٔ الفت میں پند گو ایسی تو لذتیں ہیں کہ تو جان کھا گیا

مومن کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مضمون آفرینی اور نازک خیالی کو اردو شاعری میں سب سے بہتر طریقہ پر برتا۔ بلکہ حقیقت ہے کہ انہوں نے اردو شاعری کو ان صفات سے روشناس کرایا۔

کرۂ خاک ہے گردش میں تپش سے میری میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں بھی آزاد رہا

بیزار جان سے جو نہ ہوتے تو مانگتے شاید شکایتوں پہ تری مدعی سے ہم

اسی طرح شوخی ادا اور ندرت خیال بھی شعر کے خاص اوصاف ہیں یعنی سیدھی سادی بات کو پراثر انداز میں پیش کرنا۔ تاکہ سننے والا متاثر ہو جائے یہ تاثر جتنا زیادہ اور جلدی پیدا ہوگا اتنا ہی اس شعر کی خوبی اور شاعر کے کمال پر دلالت

کرے گا۔ اور یہ کمال مومن کے یہاں موجود ہے۔

دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں　　　　اے ہم نفس نزاکتِ آواز دیکھنا

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا　　　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

یہ شعر ضرب المثل بن چکا ہے۔ مولانا حالی نے یادگار غالب میں لکھا ہے کہ مرزا غالب نے جب یہ شعر سنا تو پھڑک اٹھے اور فرمایا کہ اس شعر کے عوض میں اپنا پورا دیوان دینے کو تیار ہوں۔

مومن نے اپنے نام سے مقطعوں میں بہت فائدہ اٹھایا اور نام کو اس طرح استعمال کیا کہ وہ شعر کا جزو ہوگیا اور ایک خاص لطف پیدا کر دیا۔ اسی طرح ان کی ہر غزل کا مطلع عموماً بہت زوردار اور پُر اثر ہوتا ہے، ایسے شاعر کم نظر آئیں گے جن کا مطلع اور مقطع دونوں زوردار ہوں۔ مطلع کے زور اور خوبی کا کچھ اندازہ ان اشعار سے ہوگا۔

میں نے تم کو دل دیا، تم نے مجھے رسوا کیا　　　　میں نے تم سے کیا کیا اور تم نے مجھ سے کیا کیا

امتحان کے لئے جفا کب تک　　　　التفاتِ ستم نما کب تک

دیدۂ حیران نے تماشا کیا　　　　دیر تک وہ مجھے دیکھا کیا

اسی طرح مقطع کی خوبی یہ ہے کہ نام شعر کے الفاظ کا جز ہو جائے جس سے شعر کا لطف دوچند ہو جاتا ہے۔

اے شب ہجر دیکھ مومن ہیں　　　　ہے حرام آگ کا عذاب ہمیں

بت خانے میں ہو گر ترا گھر　　　　مومن ہیں تو پھر نہ آئیں گے ہم

نکل کے دیر سے مسجد میں جا رہ اے مومنؔ　　خدا کا گھر تو ہے تیرے اگر مکاں نہیں

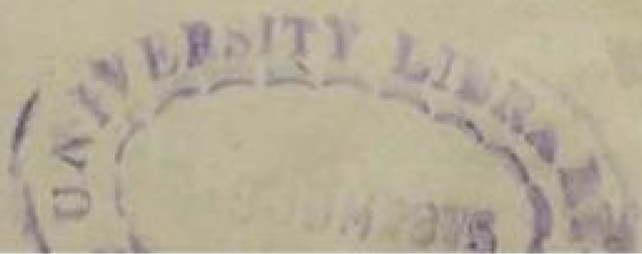
عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومنؔ　　آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

مومنؔ کے رنگِ تغزّل کا تفصیلی جائزہ لینا اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں، صرف ان کی اہم خصوصیات کا طرف اجمالی تعارف کافی ہے، اس کی روشنی میں اہلِ ذوق اور طلباء ان کے کلام کا مطالعہ کرتے وقت اپنے ذوق سلیم اور فکر و نظر کی مدد سے مومنؔ کی خصوصیات ان کی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ بخوبی کر سکیں گے۔

مولانا حالیؔ نے، یادگارِ غالب میں لکھا ہے کہ نزاکت خیال میں مومنؔ خاں مرزا غالب سے بھی سبقت لے گئے، آزاد نے آبِ حیات میں تحریر کیا ہے کہ ان کے خیالات نہایت نازک اور مضامین عالی ہیں" اسی طرح دیگر تذکرہ نگاروں اور بلند پایہ ادیبوں نے مومنؔ کی مذکورہ خصوصیات کو سراہا ہے۔

مومنؔ کے کلام ...... پر اعتراضات بھی بہت کئے گئے ہیں۔ رعایت لفظی (معنوی) اور صنائع کے استعمال پر بعض نے لکھا ہے کہ ان کا کلام بے لطف ہو گیا۔ کسی نے کہا کہ تعقیدات سے کلام معمّا بن گیا ہے۔ کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ مترادفات کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن یہ اور اس قسم کے اور اعتراضات ہر بڑے شاعر پر کئے گئے ہیں اور کئے جا سکتے ہیں۔ چند اشعار میں کچھ عیوب نکل آئیں تو اس سے ساری شاعری مورد الزام نہیں ہو سکتی۔ مومنؔ کے یہاں ..... بھی کچھ خامیاں ہیں لیکن ان کے محاسن شاعری کے مقابلہ میں معائب کا وزن بہت ہلکا ہو جاتا ہے۔ مومنؔ اردو کے بہت بڑے شاعر ہیں اور تغزل کے لحاظ سے وہ اپنے طرز میں یکتا نظر آتے ہیں۔





غزلیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نہ کیونکر مطلعِ دیواں ہو مطلع مہرِ وحدت کا
کہ ہاتھ آیا ہے روشن مصرعِ انگشتِ شہادت کا

بچاؤں آبلہ پائی کو کیونکر خارِ ماہی سے
کہ بامِ عرش سے پھسلا ہے پا یا ربِ نبوّت کا

سرشکِ اعتراضِ عجز نے الماس ریزی کی
جگر صد پارہ ہے اندیشۂ خوں گشتہ طاقت کا

نہ یہ دستِ جنوں ہے اور نہ یہ جیبِ جنوں کی شاں
کہ ہو دستِ مژہ سے چاک پردہ چشمِ حیرت کا

نہ دے تیغِ زباں کیونکر شکستِ رنگ کو طعنے
کہ صفحہائے خرد پر حملہ ہے فوجِ خجالت کا

غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیری خواہش ہے
نہ میں بیزار دوزخ سے نہ میں مشتاق جنت کا

گلوئے خامہ میں سرمہ مدادِ دودۂ دل ہے
مگر لکھتا ہے وصفِ خاتمہ جلدِ رسالت کا

نہ پوچھو گرمیِ شوقِ ثنا کی آتش افروزی
بنا جاتا ہے دستِ عجز شعلہ شمعِ فکرت کا

نمک تھا بختِ شورِ فکر خوانِ مدحِ شیریں پر
کہ دندانِ طمع نے خوں کیا ہے دستِ حسرت کا

خدایا ہاتھ اٹھاؤں عرضِ مطلب سے بھلا کیونکر
کہ ہے دستِ دعا میں گوشۂ دامانِ اجابت کا

عنایت کر مجھے آشوب گاہِ حشرِ غم اک دل
کہ جس کا ہر نفس ہم نغمہ ہو شورِ قیامت کا

جراحت زار اک جاں دے کہ جسکی ہر جراحت سے
نمکداں شورِ الفت ہو آوے عیادت کا

فروغِ جلوۂ توحید کو وہ برقِ جولاں کر
کہ خرمن پھونک دیوے ہستیِ اہلِ ضلالت کا

مرا جوہر ہو سرتاپا صفائے مہرِ پیغمبر
مرا حیرت سے وہ دل آئینہ خانہ ہو سنّت کا

بنے وہ تیغ جوہر کر کہ میرے نام سے خوں ہو
دلِ صد پارہ اصحابِ نفاقِ اہلِ بدعت کا

خدایا لشکرِ اسلام تک پہونچا کہ آ پہونچا | لبوں پر دم بنا ہے جوشِ خوں شوقِ شہادت کا
نہ دو کہ ہو بیگانہ مہر امامِ اقتدا سنّت | کہ انکار آشنائی کفر ہے اُس کی امامت کا
امیرِ لشکرِ اسلام کا محکوم ہوں یعنی | ارادہ ہے مرا فوجِ ملائک پر حکومت کا

زمانہ مہدیٔ موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے تو کہیو سلام پاک حضرت کا

آگ اشکِ گرم کو لگی جی کیا ہی جل گیا | آنسو جو اُس نے پونچھے شب اور ہاتھ پھل گیا
پھوڑا تھا دل نہ تھا یہ ہوئے پر خلل گیا | جب ٹھیس سانس کی لگی دم ہی نکل گیا
کیا رو دوں خیرہ چشمۂ بختِ سیاہ کو | واں شغل سرمہ ہے ابھی یاں نیل ڈھل گیا
کی مجھ کو ہاتھ ملنے کی تعلیم ورنہ کیوں | غیروں کہ آکے بزم میں وہ عطر مل گیا
اُس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی | کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا
جوں خفتگانِ خاک ہے اپنی فتادگی | آیا جو زلزلہ کبھی کروٹ بدل گیا
اُس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل | میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا
کچھ جی گرا پڑے تھا پر اب تو نے ناز سے | مجھ کو گرا دیا تو مرا جی سنبھل گیا
مل جائے گر یہ خاک میں اس وہاں کی خاک | رگِ کی بتی کیونکر پاؤں وہ نازک پھسل گیا

بت خانے سے نہ کعبے کو تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا

لگے خدنگ جب اس نالۂ سحر گا سا | فلک کا حال نہ ہو کیا مرے جگر کا سا
نہ جاؤں گا کبھی جنت کو میں نہ جاؤں گا | اگر نہ ہووے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا
کرے نہ خانہ خرابی تری ندامت جور | کہ آبِ شرم میں ہے جوشِ چشمِ تر کا سا
یہ جوشِ یاس تو دیکھو کہ اپنے قتل کے وقت | دعائے وصل نہ کی وقت تھا اثر کا سا
لگے اُن آنکھوں سے ہر وقت اے دلِ صد چاک | ترانہ رتبہ ہوا کیوں شگاف در کا سا

ذرا ہو گرمیِ صحبت تو خاک کر دے چرخ
مرا سرور ہے گل خندۂ شرر کا سا

یہ ناتواں ہوں کہ ہوں اور نظر نہیں آتا
مرا بھی حال ہوا تیری ہی کمر کا سا

جنوں کے جوش سے بیگانہ وار ہیں احباب
ہمارا حال وطن میں ہوا سفر کا سا

خبر نہیں کہ اُسے کیا ہوا پر اس در پر
نشانِ نظر آتا ہے نامہ بر کا سا

دل ایسے شوخ کو مومن نے دیدیا کہ وہ ہے
محب حسینؑ کا اور دل رکھے شمر کا سا

گر وہاں بھی یہ خموشی اثر افغاں ہوگا
حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہوگا

اُن سے بدخو کا کرم بھی ستمِ جاں ہوگا
میں تو میں غیر بھی دل دے کے پشیماں ہوگا

اور ایسا کوئی کیا بے سر و ساماں ہوگا
کہ مجھے زہر بھی دیجئے گا تو احساں ہوگا

محو مجھ سا دمِ نظارۂ جاناں ہوگا
آئنہ آئنہ دیکھے گا تو حیراں ہوگا

خواہشِ مرگ ہوا اتنا نہ ستانا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

ایسی لذت خلشِ دل میں کہاں ہوتی ہے
رہ گیا سینہ میں اُس کا کوئی پیکاں ہوگا

بوسہ ہائے لبِ شیریں کے مضامیں ہیں نہ کیوں
لفظ سے لفظ مرے شعر کا چسپاں ہوگا

کہہ سناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل
تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو احساں ہوگا

حیرتِ حسن نے دیوانہ کیا گر اُس کو
دیکھنا خانۂ آئینہ بھی ویراں ہوگا

دیدۂ منتظر آتا نہیں شاید تجھ تک
کہ مرے خواب کا بھی کوئی نگہباں ہوگا

ایک ہی جلوۂ مہر میں ہوا سو ٹکڑے
جامۂ صبر جسے کہتے ہیں کتاں ہوگا

گر یہی گرمیِ مضمون شرر ریز رہی
رشتۂ شمع سے شیرازۂ دیواں ہوگا

کیونکہ اُمیدِ وفا سے ہو تسلی دل کو
فکر ہے یہ کہ وہ وعدے سے پشیماں ہوگا

گر ترے خنجرِ مژگاں نے کیا قتل مجھے
غیر کیا کیا ملک الموت کے قرباں ہوگا

اپنے انداز کی بھی ایک غزل پڑھ مومن
آخر اس بزم میں کوئی تو سخنداں ہوگا

بے سبب کیونکہ لبِ زخم پہ افغاں ہوگا
شورِ محشر سے بھرا اُس کا نمکداں ہوگا

آخر اُمید ہی سے چارۂ حرماں ہوگا
مرگ کی آس پہ جینا شبِ ہجراں ہوگا

مجمع بسترِ مخمل شبِ غم یاد آیا
طالعِ خفتہ کا کیا خواب پریشاں ہوگا

دل میں شوقِ رُخِ روشن نہ چھپے گا ہرگز
ماہ پردے میں کتاں کے کوئی پنہاں ہوگا

درد سے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

شومیٔ بخت تو ہی چین لے اے وحشتِ دل
دیکھ زنداں ہی کوئی دن میں بیاباں ہوگا

نسبتِ عیش سے ہوں نزع میں گریاں یعنی
ہے یہ سونا کہ دہنِ گور کا خنداں ہوگا

بات کرنے میں رقیبوں سے ابھی ٹوٹ گیا
دل بھی شاید اُسی بدعہد کا پیماں ہوگا

چارہ جو اور بھی اچھا میں کرونگا ٹکڑے
پردۂ شوخ جو پیوندِ گریباں ہوگا

دوستی اُس صنم آفتِ ایماں سے کرے
مومن ایسا بھی کوئی دشمنِ ایماں ہوگا

دیدۂ حیراں نے تماشا کیا
دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا

ضبطِ فغاں گو کہ اثر تھا کیا
حوصلہ کیا کیا نہ کیا کیا کیا

آنکھ نہ لگنے سے سب احباب نے
آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا

مر گئے اُس کے لبِ جاں بخش پر
ہم نے علاج آپ ہی اپنا کیا

بجھ گئی اک آہ میں شمعِ حیات
مجھ کو دمِ سرد نے ٹھنڈا کیا

غیر عیادت سے بُرا مانتے
قتل کیا آن کے اچھا کیا

اُن سے پریوش کو نہ دیکھے کوئی
مجھ کو مری شرم نے رسوا کیا

زندگیٔ ہجر بھی اک موت تھی
مرگ نے کیا کارِ مسیحا کیا

پان میں یہ رنگ کہاں آپ نے — آپ مرے خون کا دعویٰ کیا

جور کا شکوہ نہ کروں ظلم ہے — راز مرا صبر نے افشا کیا

کچھ بھی بن آتی نہیں کیا کیجیے — اُس کے بگڑنے نے کچھ ایسا کیا

جلوے تھی تیری مرے دل ہی سو ہے — غیر سے کیوں شکوۂ بے جا کیا

رحم فلک اور مرے حال پہ — تو نے کرم اے ستم آرا کیا

سچ ہی سہی آپ کا پیماں ولے — مرگ نے کب وعدۂ فردا کیا

دعویِ تکلیف سے جلاد نے — روزِ جزا قتل پھر اپنا کیا

مرگ نے ہجراں میں چھپایا ہے مُنھ — لو مُنھ اُسی پردہ نشیں کا کیا

دشمنِ مومن ہی رہے بُت سدا
مجھ سے مرے نام نے یہ کیا کیا

موئے نہ عشق میں جب تک وہ مہرباں نہ ہوا — بلائے جاں ہے وہ دل جو بلائے جاں نہ ہوا

خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب — ہزار شکر کہ اس دم وہ بدگماں نہ ہوا

ہنسے نہ غیر مجھے بزم سے اُٹھانے پر — سبک ہے وہ کہ تری طبع پر گراں نہ ہوا

دیت میں روزِ جزا لے رہیں گے قاتل کو — ہمارا جان کے جانے میں بھی زیاں نہ ہوا

وہ آئے بہرِ عیادت تو تھا میں شادیِ مرگ — کسی سے چارۂ بیدادِ آسماں نہ ہوا

لگی نہیں ہے یہ چپ لذتِ ستم سے کہ میں — حریفِ کشمکشِ نالہ و فغاں نہ ہوا

دمِ حساب رہا روزِ حشر بھی یہی ذکر — ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا

ہے شرط ہم پہ عنایت میں گو نہ کو نہ ستم — کبھی محبتِ دشمن کا امتحاں نہ ہوا

اُمید وعدۂ دیدارِ حشر پر مومن
تو بے مزہ تھا کہ حسرت کشِ بُتاں نہ ہوا

سم کھا موئے دردِ دلِ زار کم ہوا — بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا

کچھ اپنے ہی نصیب کی خوبی تھی بعد مرگ — ہنگامۂ محبتِ اغیار کم ہوا
معشوق سے بھی ہم نے نبھائی برابری — واں لطف کم ہوا تو یہاں پیار کم ہوا
ناکامیوں کی کاہشِ بے حد کا کیا علاج — بوسہ دیا تو ذوقِ لبِ یار کم ہوا
ہرچند اضطراب میں میں نے کمی نہ کی — تو بھی واں تغافلِ بسیار کم ہوا
کیا مجھ میں دم بھی لینے کی طاقت نہیں رہی — کیوں شورِ نالہ ہائے عزادار کم ہوا
سب تا بہ فتنہ چونک پڑے تیرے عہد میں — اک میرا بخت تھا کہ وہ بیدار کم ہوا
کچھ قیس اور میں ہی نہیں سب کے سب موئے — اچھا تو دردِ عشق کا بیمار کم ہوا

ذکرِ بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی
کچھ اب تو کفرِ مومنِ دیندار کم ہوا

گر غیر کے گھر سے نہ دل آرام نکلتا — دل کاہے کو یوں لے دلِ ناکام نکلتا
میں وہم سے مرتا ہوں وہاں رعب سے اُس کے — قاصد کی زباں سے نہیں پیغام نکلتا
کرتے جو مجھے یاد شبِ وصلِ عدو تم — کیا صبح کو خورشید نہ تا شام نکلتا
جب جانتے تاثیر کہ دشمن بھی وہاں سے — اپنی طرح لے گردشِ ایام نکلتا
ہر ایک سے اُس بزم میں سب پوچھتے تھے نام — تھا لطف جو کوئی مرا ہمنام نکلتا
کیوں کام طلب ہے مرے آزار سے گردوں — ناکام سے دیکھا ہے کہیں کام نکلتا
تھی نوحہ زنی دل کی جنازے پہ ضروری — شاید کہ وہ گھبرا کے سرِ بام نکلتا
کانٹا سا کھٹکتا ہے کلیجے میں غمِ ہجر — یہ خار نہیں دل سے گل اندام نکلتا

حوریں نہیں مومن کے نصیبوں میں جو ہوتیں
بت خانے ہی سے کیوں یہ بد انجام نکلتا

وصل کی شب شام سے میں سو گیا — جاگنا ہجراں کا بلا ہو گیا
دل نہ پھرا جان ہی ٹھہرے خدا — یہ تو نہ جائے کہیں وہ تو گیا

آئینہ جلدی سے پٹک دو کہیں — دل ہی نہیں ہاتھ سے دیکھو گیا

ہوں میں سیہ روز کہ وہ شمع رو — شام کو آیا تھا سحر کو گیا

طالعِ برگشتہ مرے کیا پھریں — ملکِ عدم سے نہ پھرا جو گیا

ساتھ نہ چلنے کا بہانہ تو دیکھ — آ کے مری نعش پہ وہ رو گیا

شوخیٔ قاتل کے میں قربان ہوں — کہتے رہے سب یہ گیا وہ گیا

صبر نہیں شامِ فراق آ چکو — جس سے کہ بیزار تھے تم سو گیا

شکر اثر تھا گلۂ دشمناں — نالہ مرے کام سے یارو گیا

زلف کی بو آئے گی ہم کو اگر — غیر کے گھر دستۂ شبو گیا

ہائے صنم ہائے صنم لب پہ کیوں
خیر ہے مومن تمہیں کیا ہو گیا

ڈر تو مجھے کس کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا — پر حال یہ افشا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ناصح یہ گلہ کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا — تو کب مری سنتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

میں بولوں تو چپ ہوتے ہیں اب آپ جبھی تک — یہ رنجشِ بے جا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کچھ غیر سے ہونٹوں میں کہے ہے یہ جو پوچھو — تو وو ہیں مکرتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کب پاس پھٹکنے دوں رقیبوں کو تمہارے — یہ پاس تمہارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ناصح کو جو چاہوں تو ابھی ٹھیک بنا دوں — پر خوف خدا کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا کیا نہ کہے غیر کی گر بات نہ پوچھو — یہ حوصلہ میرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا کہیے نصیبوں کو کہ اغیار کا شکوہ — سن سن کے وہ چپکا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مت پوچھ کہ کس واسطے چپ لگ گئی ظالم — بس کیا کہوں میں کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

چپکے سے ترے ملنے کا گھر والوں میں تیرے — اس واسطے چرچا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

اے چارہ گر و قابل درماں نہیں یہ درد | ورنہ مجھے سودا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ہر وقت ہے دشنام ہر اک بات میں طعنہ | پھر اس پہ بھی کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کچھ سن کے جو میں چپ ہوں تو تم کہتے ہو بولو | سمجھو تو یہ تھوڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

سنتا نہیں وہ ورنہ یہ سرگوشیِ اغیار | کیا مجھ کو گوارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مومن بخدا سحر بیانی کا جبھی تک
ہر ایک کو دعوے ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

رات کس کس طرح کہا نہ رہا | نہ رہا پردہ مہر لقا نہ رہا

غیر آ کر قریب خانہ رہا | شوق اب تیرے آنے کا نہ رہا

تیرے پردہ نے کی یہ پردہ دری | تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا

غم مرا کس لیے کہ دنیا میں | نہ رہا میں مرا قا نہ رہا

مدعا غیر سے کہا تھا وہ | سمجھے اب کچھ بھی مدعا نہ رہا

کس کی زلفوں کا دھیان تھا کہ میں شب | محو دود چراغ خانہ رہا

غیر چھڑکے ہے زخم دل پہ نمک | شور الفت میں بھی مزا نہ رہا

پہونچے وہ لوگ رتبہ کو کہ مجھے | شکوہ بخت نارسا نہ رہا

تلخ کامی نصیب اعدا حیف | جب کہ وہ اپنے کام کا نہ رہا

دل لگانے کے تو اٹھائے مزے | جی بلا سے رہا رہا نہ رہا

تو فلک مرگ ہم سے سب غافل | اب کسی کا بھی آسرا نہ رہا

مومن اس بت کے نیم ناز ہی ہیں
تم کو دعوائے اتقا نہ رہا

لا تکنے چاک گریباں کو تو ہر بار لگا | ہاتھ کو ڈاؤں جو ناصح لیے اب تار لگا

بسکہ اک پردہ نشیں سے دل بیمار لگا | جو مرے لفظوں سے چھپاتے ہیں وہ آزار لگا

جذبۂ دل کو نہ چھاتی سے لگاؤں کیونکر / آپ وہ میرے گلے دوڑ کے اک بار لگا

شوخ تھا رنگِ حنا میرے لہو سے سو ہے / قتلِ اغیار سے کیا ہاتھ ترے بار لگا

تو کسی کا بھی خریدار نہیں پر ظالم / سرفروشوں کا ترے کوچہ میں بازار لگا

دُرّ و یاقوت کی پھر غیر پہ فرمائش ہے / جوہری کی تو دکاں چشمِ گہربار لگا

یاد آئی مجھے ناصح کی زباں کی تیزی / دیکھ اغوائے رقیباں سے نہ تلوار لگا

منھ میں کیا خمِ صہبا کے بھر آیا پانی / ق / تیرے لب سے جو لبِ ساغرِ سرشار لگا

ناگہاں نعش پہ عاشق کی دمِ نوحہ گری / کوئی مذکور ترا کرتے ستمگار لگا

دیکھ تو حسرتِ دیدار پسِ مُردن بھی / آنکھیں وہ کھول کے تکنے در و دیوار لگا

کعبہ سے جانبِ بُت خانہ پھر آیا مومن
کیا کرے جی نہ کسی طرح سے زنہار لگا

شبِ غم فرقت ہمیں کیا کیا مزے دکھلائے تھا / دم رُکے تھا سینے میں کمبخت جی گھبرائے تھا

یا تو دم دیتا تھا وہ یا نامہ بر بہکائے تھا / تھے غلط پیغام سارے کون یاں تک آئے تھا

بل بے عیاری عدو کے آگے وہ پیماں شکن / وعدۂ وصل آج پھر کرتا تھا اور شرمائے تھا

سُن کے میری مرگ بولے مر گیا اچھا ہوا / کیا بُرا لگتا تھا جس دم سامنے آ جائے تھا

یار و دشمن راہ میں کل دیکھنا کیونکر ملے / وہ اُدھر کو جائے تھا اور یہ ادھر کو آئے تھا

بات شب کو اُس سے منعِ بیقراری پر بڑھی / ہم تو سمجھے اور کچھ وہ اور کچھ سمجھائے تھا

کوئی دن تو اُس پہ کیا تصویر کا عالم رہا / ہر کوئی حیرت کا پتلا دیکھ کر بن جائے تھا

کوئے صحرا لے چلے اُس کو سے میری نعش ہائے / تھا یہی ڈر ان دنوں تلوا مرا کھجلائے تھا

نازِ شوخی دیکھنا وقتِ تظلم دمبدم / مجھ سے وہ عذرِ جفا کرتا تھا اور جھنجھلائے تھا

ہو گئی دو روز کی الفت میں کیا حالت ابھی
مومن وحشی کو دیکھا اس طرف سے جائے تھا

ہماری جان شب تجھ بن دل ناکام لیتا تھا
خدنگ آہ سے تیرِ قضا کا کام لیتا تھا

یہی حالت رہی آٹھوں پہر تجھ بن کہ دم اُلٹے
سحر تک شام سے دل صبح سے تا شام لیتا تھا

عبث الفت بڑھی تم کو وہ کب دیتا تھا دم تم کو
یہ مجھ کو دیکھ کر دشمن کلیجا تھام لیتا تھا

چھٹایا کیوں مرا داں رات دن رہنا بہم پھرنا
بتا تو کیا ترا میں گردشِ ایام لیتا تھا

نہ کانٹوں پر کوئی لوٹے ہوں میں بستر گل پر
ترے بن کروٹیں شب اے سمن اندام لیتا تھا

رقیبوں پر ہوئی کیا آج فرمائش جواہر کی
کہ ہیرا عاشقِ خطِ زمرد فام لیتا تھا

سحر تک شام سے تجھ بن یہی حالت رہی دل نے
نہ مجھ کو چین دیتا تھا نہ آپ آرام لیتا تھا

نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات میں ناصح تمہارا نام لیتا تھا

میں اس کی بزم مے میں زہر پی کیونکر نہ مر جاتا
کہ میرے سامنے اس لب کے مجھ سے جام لیتا تھا

اگر مومن ہی ہو مومن دلے میں تو نہ مانوں گا
جو عہدِ دوستی وہ دشمنِ اسلام لیتا تھا

وقت جوشِ بحر گریہ میں جو گرمِ نالہ تھا
حلقۂ گرداب رشکِ شعلۂ جوالہ تھا

آگ کیا ہم کو لگائی ابر نے تیرے بغیر
وقتِ بارشِ اخگرِ خورشید تف ہر ژالہ تھا

اُس لبِ نازک کو برگِ گل سے دیتے ہیں مثال
ہونٹ برگِ لالہ تھے اور نیل داغِ لالہ تھا

اک نگاہِ سرسری دیوانہ ہم کو کر گئی
گردشِ چشم پری رو ساحرِ بنگالہ تھا

دیکھ کر یہ مجمع اُمڈ آیا ہے ابرِ اشکِ آہ
حلقۂ اغیار اُس کے گردِ مہ کا ہالہ تھا

آبلے کیونکر نہ نکلیں جا بجا اشک آنکھوں سے آہ
میرے پہلو میں ابھی وہ آگ کا پرکالہ تھا

شورِ الفت نے کیا کیا بے مزہ جلاد کو
گرمِ خونی سے لبِ شمشیر پہ تبخالہ تھا

آہِ پُر درد اپنی کب بے بیب فلک تھی رات کو
دیدۂ مہتاب میں سرمہ کا دنبالہ تھا

مومنِ عاشق طبیعت نوجواں سہی مر گیا
عشقِ طفلِ چند سالہ دشمنِ صد سالہ تھا

میرے کوچے میں عدو مضطر و ناشاد رہا
شب خدا جانے کہاں وہ ستم ایجاد رہا

اُس روانی سے ذرا خنجرِ بیداد رہا
بارے اک دم اثرِ نالہ و فریاد رہا

بے کسی نے نہ دیا ہائے تہِ خاک بھی چین
تا قیامت المِ گریۂ جلاد رہا

نقدِ جاں تھا نہ سزائے دیتِ عاشق حیف
خونِ فرہاد سرِ گردنِ فرہاد رہا

لذتِ جور سے دم لینے کی فرصت نہ رہی
کیا اثر منتظرِ دعوتِ فرہاد رہا

یاد سہواً اُسے لے غیرہی نسیاں عمداً
یاد رکھ بھول گیا جس کو وہی یاد رہا

سر ٹپکنے سے مرے سنگِ درِ اُس کا توڑا
یہی سودا ہے تو گھر کاہے کو آباد رہا

کرۂ خاک ہے گردش میں طپش سے میری
میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں بھی آزاد رہا

چھوٹنا دامِ شکستہ سے بھی آساں نہیں
میں گرفتارِ خمِ گیسوئے صیاد رہا

لے چلا جوشِ جنوں جانبِ صحرا افسوس
جب مرے کوچے میں آ کر وہ پریزاد رہا

گہ غمِ حور گہے عشقِ بتاں اے مومن
میں سدا سوختۂ حسنِ خدا داد رہا

میں نے تم کو دل دیا تم نے مجھے رسوا کیا
میں نے تم سے کیا کیا اور تم نے مجھ سے کیا کیا

کشتۂ نازِ بتاں روزِ ازل سے ہوں مجھے
جان کھونے کے لئے اللہ نے پیدا کیا

روز کہتا تھا کہیں مرتا نہیں ہم مر گئے
اب تو خوش ہو بے وفا تیرا ہی لے کہنا کیا

سر سے شعلے اُٹھتے ہیں آنکھوں سے دریا جاری ہے
شمع سے یہ کس نے ذکر اُس محفل آرا کا کیا

رو دیئے کیا بخت خفتہ کو کہ آدھی رات سے
میں یہاں رو دیا کیا اور وہ وہاں سویا کیا

آتشِ الفت بجھا دی اغمائے اشک نے
مدعی کی گرمیِ صحبت نے جی ٹھنڈا کیا

آنکھ عاشق کی کوئی پھرتی ہے آ وعدہ خلاف
دیکھ لے میں مرتے مرتے سوئے در دیکھا کیا

دلبروں میں بیوفا میری وفا کی دھوم ہے
بوالہوس سے کیوں کہا تھا راز جو افشا کیا

جا رہ گر کعبے میں اُس کے آستاں سے لے گئے
ایک بھی میری نہ مانی لاکھ سر پٹکا کیا

غیر کا اور آپ کا گر دل نہیں ہے ایک تو | کیوں ترے دل میں مری یاد آنے کا چرچا کیا
کیا خلش تھی رات دل میں آرزوے قتل کی | ناخنِ شمشیر سے میں سینہ کھجلایا کیا

عرضِ ایماں سے ضد اُس غارتگرِ دیں کو بڑھی
تجھ سے اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا

کسی کا ہوا آج کل تھا کسی کا | نہ ہے تو کسی کا نہ ہوگا کسی کا
کیا اُس نے قتلِ جہاں اک نظر میں | کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا
نہ میری سُنے وہ نہ میں ناصحوں کی | نہیں مانتا کوئی کہنا کسی کا
مجھے مار ڈالا ہے انکار نے پھر | یہ کہنا کہ کیا مجھ پہ دعویٰ کسی کا
جو پھر جائے اُس بیوفا سے تو جانوں | کہ دل پر نہیں زور چلتا کسی کا
صبا نکہتِ یار لائی کہاں سے | نہیں دخل اُس کو میں اصلا کسی کا
وہ کرتے ہیں بیباک عاشق کشی یوں | نہیں کوئی دنیا میں گویا کسی کا
کوئی کیا کرے آپ ہرجائی ہو تم | نہیں میری جاں شکوہ بیجا کسی کا

دمِ الحذر اور عشقِ بتاں سے
تجھے ڈر ہے اے مومن ایسا کسی کا

محشر میں پاس کیوں دمِ فریاد آگیا | رحم اُس نے کب کیا تھا کہ اب یاد آگیا
اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں | لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا
ناکامیوں میں تم نے جو تشبیہ مجھ سے دی | شیریں کو دردِ تلخیِ فرہاد آگیا
ہم چارہ گر کو یوں ہی پہنائیں گے بیڑیاں | قابو میں اپنے گر وہ پریزاد آگیا
دل کو قلق ہے ترکِ محبت کے بعد بھی | اب آسماں کو شیوۂ بیداد آگیا
وہ بدگماں ہوا جو کہیں شعر میں مرے | ذکرِ بتانِ خلخ و نوشاد آگیا
تھے بیگناہ جرأتِ پابوس تھی ضرور | کیا کرتے وہم خجلتِ جلاد آگیا

جب ہو چکا یقیں کہ نہیں طاقت وصال　　دم میں ہمارے وہ ستم ایجاد آگیا

ذکرِ شراب و حور کلامِ خدا میں دیکھ
مومنؔ میں کیا کہوں مجھے کیا یاد آگیا

وعدۂ وصلت سے دل ہو شاد کیا　　تمسے دشمن کی مبارک باد کیا
کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی　　آشیاں اپنا ہوا برباد کیا
نالۂ پیہم سے یاں فرصت نہیں　　حضرتِ ناصح کریں ارشاد کیا
ہیں اسیر اُس کے جو ہے اپنا اسیر　　ہم نہ سمجھے صید کیا صیاد کیا
شوخ بازاری شیریں بھی مگر　　ورنہ فرق خسرو و فرہاد کیا
نشۂ اُلفت سے بھولے یار کو　　ہیچ ہے ایسی بیخودی میں یاد کیا
نالہ اِک دم میں اُڑا ڈالے دھوئیں　　چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا
جب مجھے رنجِ دل آزاری نہ ہو　　بیوفا پھر حاصلِ بیداد کیا
پاؤں تک پہنچی وہ زلف خم بخم　　سرو کو اب باندھئے آزاد کیا
کیا کروں اللہ سب ہیں بے اثر　　ولولہ کیا نالہ کیا فریاد کیا
دلربائی زُلفِ جاناں کی نہیں　　پیچ و تابِ طرۂ شمشاد کیا
ان نصیبوں پہ کیا اختر شناس　　آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا
روزِ محشر کی توقع ہے عبث　　ایسی باتوں سے ہو خاطر شاد کیا
گر بہائے خون عاشق ہے وصال　　انتقامِ رحمتِ جلاد کیا

بُتکدہ جنت ہے چلئے بے ہراس
لب پہ مومنؔ ہر چہ بادا باد کیا

دلِ بیتاب کو گر باندھ کر رکھوں نہ ٹھہریگا　　سوا اُس در کی زنجیروں کے یہ مجنوں نہ ٹھہریگا
طپش سے خاک میں بھی عاشق مدفون ٹھہریگا　　کہ گنبد قبر کا جوں گنبدِ گردوں نہ ٹھہریگا

نہ ٹھہرا بوسہ تو دیتا دلِ مفتوں نہ ٹھہریگا ۔ اگر واں ہو وں نہ ٹھہریگا تو یاں بھی یوں نہ ٹھہریگا

اگر گردش یہی ہے مغبچوں کی چشمِ میگوں کی ۔ کفِ ساقی میں جامِ بادۂ گلگوں نہ ٹھہریگا

مرے خط میں شکایت لکھ دی کس کی شہبازِ نظر کی ۔ پرو بالِ کبوتر ایک اک اکھڑے دن نہ ٹھہرے گا

اسے خو پڑ گئی ہے بے طرح زانوئے جاناں کی ۔ یہ سر تکیہ پہ ہمدم جس طرح رکھوں نہ ٹھہرے گا

سراپا بسکہ محوِ شوخیِ قاتل ہوں محشر تک ۔ مرے زخموں سے جاری ہی رہیگا خوں نہ ٹھہرے گا

کیا بہرِ عیادت گر ارادہ اُس نے آنے کا ۔ تو جب تک جان ہے دردِ دلِ محزوں نہ ٹھہرے گا

ہوئی تاثیر گر تھوڑی سی بھی اُس سروِ موزوں کو ۔ زمیں کیا آسماں پر نالۂ موزوں نہ ٹھہرے گا

مرے تو بن گئے ہم طولِ شبہائے جدائی سے ۔ کہاں تک دیکھئے وہ حسنِ روز افزوں نہ ٹھہرے گا

وہ شاعر ہوں کہ باندھوں گا خمِ زنجیر کاکل سے ۔ اگر دل کے قلق کے دھیان میں مضموں نہ ٹھہرے گا

طوافِ کعبہ کا خوگر ہے دیکھو سدِّ رہ ہوتے دو

تو سمجھو ذرا مومن سے مومن یوں نہ ٹھہرے گا

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا ۔ میں الزام اس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

نہ شادیِ مرگ ہو کیونکر ہے مژدہ قتلِ دشمن کا ۔ کہ گھر میں سے لیے شمشیر وہ روتا نکل آیا

ستم ہے گرمیِ ضبطِ فغان و آہ چھاتی پر ۔ کبھو بس پڑ گیا چھالا کبھو پھوڑا نکل آیا

کیا زنجیر مجھ کو چارہ گر نے کنج نوں میں جب ۔ عدو کی قید سے وہ شوخ بے پردا نکل آیا

نکل آیا اگر آنسو تو ظالم مت نکال آنکھیں ۔ سنا معذور ہے مضطر نکل آیا نکل آیا

ہمارے خوں بہا کا غیر سے دعوےٰ ہے قاتل کو ۔ یہ بعد انفصال اب اور ہی جھگڑا نکل آیا

ہوئی بلبل غزلخوانِ دہانِ تنگ کس گل کی ۔ کہ فردوسی میں غنچہ کا مُنہ اتنا سا نکل آیا

کوئی تیر اُس کا دل ہی میں رہ گیا تھا کیا کہ آنکھوں سے ۔ ابھی روتے ہیں اک پیکان کا ٹکڑا نکل آیا

دمِ بسمل یہ کس کے خوف سے ہم پی گئے آنسو ۔ کہ ہر زخمِ بدن سے خون کا دریا نکل آیا

خدنگِ یار کے ہمراہ نکلی جان سینے سے ۔ یہی ارماں اک مدت سے جی میں تھا نکل آیا

بہت نازاں ہے تو اے قیس پر وحشت دکھاؤں گا
کتابوں میں کبھو قصہ جو مومن کا نکل آیا

روزِ جزا جو قاتلِ دلجو خطاب تھا — میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا
ناصح ہے طعنہ زن مری ناکامیوں پہ کیا — دلجوئیوں سے تیری کبھی کامیاب تھا
پھرنے سے شامِ عذر تھکے یہ کہ سو رہے — آرام شکوۂ ستمِ اضطراب تھا
کیا کیا شکن دیے ہیں دلِ آزار کو مگر — اُس کے خیال میں ورقِ انتخاب تھا
عاشق ہوئے آپ کہیں گو اُسی پہ ہوں — شب حالِ غیر مجھ سے زیادہ خراب تھا
وقتِ وداع بے سببِ آزردہ کیوں کیا — یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا
وہ چشم انتظار کہاں باز بعد مرگ — دیکھا تو ہم نے آنکھ نہ لگنا بھی خواب تھا
بے پردہ غیر سے نہ ہوا ہوگا شب کہ صبح — آنکھوں میں شرم تھی نہ نظر میں حجاب تھا
دیکھا نہ ہے یہ رشک و حسد وہ بلا کہ آج — سنبل کو تیری زلف کا سا پیچ و تاب تھا
ہوں کیوں نہ محوِ حیرتِ تیرِ نگہہائے شوق — جو دل میں شعلہ تھا وہی آنکھوں میں آب تھا
کیا جی لگا ہے تذکرۂ یار میں عبث — ناصح سے مجھ کو آج تلک اجتناب تھا

روزِ جزا خدا بت جلاد کو ملا
گویا کہ خونِ ناحقِ مومن ثواب تھا

مجھ کو تیرے عتاب نے مارا — یا مرے اضطراب نے مارا
بزمِ مے میں بس ایک میں محروم — آپ کے اجتناب نے مارا
لے کے دل بھی کجی نہیں جاتی — زلف کے پیچ و تاب نے مارا
کیا پسند آئی اپنی جور کشی — چرخ کے انتخاب نے مارا
خاک اُٹھیں گے خاک سے جو یونہیں — ترکِ آرام و خواب نے مارا
تشنہ کامی وصال کی مت پوچھ — شوقِ تیغِ خوش آب نے مارا

خون کیونکر مرا کھلے کہ مجھے
اِک سراپا حجاب نے مارا

یادِ ایامِ وصلِ یار افسوس
دہر کے انقلاب نے مارا

لبِ میگوں پہ جان دیتے ہیں
ہمیں شوقِ شراب نے مارا

جبہہ سائی کا بھی نہیں مقدور
اُن کی عالی جناب نے مارا

نازک اندام سے لگی ہے آنکھ
حسرتِ فرشِ خواب نے مارا

کس پہ مرتے ہو آپ پوچھتے ہیں
مجھے فکرِ جواب نے مارا

یوں کبھی نوجواں نہ مرتا میں
تیرے عہدِ شباب نے مارا

مومنؔ از بس ہیں بے شمار گناہ
غمِ روزِ حساب نے مارا

دیکھ لو شوقِ ناتمام مرا
غیر لے جائے ہے پیام مرا

بے اثر ہے فغانِ خون آلود
کیوں نہ ہوئے خراب کام مرا

آتشیں خو سے آرزوئے وصال
پک گیا اب خیالِ خام مرا

دیکھنا کثرتِ بلا نوشی
کاسۂ آسماں ہے جام مرا

رتبۂ اُفتادگی کا دیکھو ہے
عرش کے بھی پرے مقام مرا

کس صنم کو چھڑا دیا واعظ
لے خدا تجھ سے انتقام مرا

ہو کے یوسف جو دل چراتے ہو
کون ہو جائے گا غلام مرا

اُس لبِ لعل کی شکایت ہے
کیونکہ رنگیں نہ ہو کلام مرا

تو نے رسوا کیا مجھے اب تک
کوئی بھی جانتا تھا نام مرا

زانوئے بُت پہ جان دی دیکھا
مومن انجام و اختتام مرا

بندگی کام آ رہی آخر
میں نہ کہتا تھا کیوں سلام مرا

ناز بیجا سے سوا شرم کے حاصل نہ ہوا — غیر پر ظلم کیے میرے مقابل نہ ہوا

خود گلا کاٹ موا جبکہ میں بسمل نہ ہوا — اُن کو آساں نہ ہوا جو مجھے مشکل نہ ہوا

کس طرح بزم میں وہ آنکھ چراتے مجھسے — دل کو کھو کر یہ ڈرا تھا کہ میں غافل نہ ہوا

خوں چھپانے کو مری لاش سے کہتا ہے وہ شوخ — مجھکو یہ غم ہے کہ میں کیوں ترا قاتل نہ ہوا

یاد کاکل میں بھی خود رفتگی اپنی نہ گئی — جوشِ وحشت سے میں پابند سلاسل نہ ہوا

دل دہی کیسی وہ دم دیتے ہیں سوائے دشمن! — کیا نہ دیتے مجھے ہیں آپ ہی سائل نہ ہوا

خوں مرا ہار گلے کا نہ ہو کیوں اے قاتل — دستِ رنگیں مری گردن میں حمائل نہ ہوا

آتشِ سینۂ تفسیدہ کو کیا میں رُودوں — اشک جانب کرۂ آب کے مائل نہ ہوا

دیتے تکلیف شبِ ہجر میں کیا اپنے پاس — نقد جاں پیش کش مرگ کے قابل نہ ہوا

بے حجابی کا گلہ کیجے تو کہتا ہے ترے — پردۂ چشم کی تقصیر کہ حائل نہ ہوا

کیا گلے ہوتے گرا در دل پہ بھی رحم آجاتا — شکر صد شکر کہ میرا سا ترا دل نہ ہوا

مر گیا جس پہ نہیں گھر میں رسائی اُس کے
تھا تو مومن ہیں دلے خلد میں داخل نہ ہوا

فراقِ غیر میں ہے بیقراری یاب اپنا سا — بنایا تو نے اس کو بھی دل بیتاب اپنا سا

کسی کا سوز دل ہر گز تجھے باور نہیں آتا — تو سب کو جانتا ہے اے مہر عالمتاب اپنا سا

جوابِ خونِ ناحق مرا ایسا کیا دیا تو نے — کہ ظالم رہ گئے منہ لے کے سب احباب اپنا سا

اگر مرضی یہی ٹھہری کہ تجھ کو چھوڑ دوں مجھ کو — بتلا دے اور کوئی غیرتِ مہتاب اپنا سا

یہ رنگ آمیزیاں کیسی ہیں کس کا دل دیکھو تو — مجھے تو کچھ نظر آتا ہے یہ خونناب اپنا سا

بناوٹ سے یہ زلفیں لاکھ بل کھایا کریں لیکن — یہ ممکن ہی نہیں ہووے جو پیچ و تاب اپنا سا

اگرچہ شعر مومن بھی نہایت خوب کہتا ہے
کہاں ہے لیک معنی بند مضموں یاب اپنا سا

کیا مرتے دم کے لطف میں پنہاں ستم نہ تھا
وہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں دم نہ تھا

بیخود تھے غش تھے محو تھے دنیا کا غم نہ تھا
جینا وصال میں بھی تو مرنے سے کم نہ تھا

شاید کہ دست غیر رہا رات شانہ کش
اس زلف تابدار میں کچھ آج خم نہ تھا

جوشِ قلق نے اس کو بھی دیوانہ کر دیا
پہلے تو ورنہ طبع تحمل میں رم نہ تھا

کیوں جورِ تصل سے ترے غیر رنج کھنچ گئے
میں کیا حریف کشمکش دمبدم نہ تھا

چھڑکے ہی لون زخم پہ وہ کیوں خوش ہوں غمیں
الماس کی بھی آس جیبی تک الم نہ تھا

میں مر گیا وہ چشم جو یاد آئی اور یار
حیران ہیں کہ مے تھی پیالہ میں سم نہ تھا

چھوڑا نہ دل میں کچھ بھی تپ ہجر نے کہ رات
روتے تھے زار زار اور آنکھوں میں نم نہ تھا

درباں کو آنے دینے پہ میرے نہ کیجے قتل
ورنہ کہیں گے سب کہ یہ کوچہ حرم نہ تھا

مومن چلا گیا تو چلا جائے اے بتو
آخر قدیم خادمِ بیت الصنم نہ تھا

غیر کو سینہ کہے سے سیمبر دکھلا دیا
تم نے کیا کچھ کس کو اپنی بات پر دکھلا دیا

زرد منھ دکھلا دیا غم کا اثر دکھلا دیا
آج ہم نے اس کو اپنا دور و زرد دکھلا دیا

صبح سے تعریف ہے صبر و سکونِ غیر کی
کس نے شب مجھ کو تڑپنے پیش در دکھلا دیا

موت کے صدقے کہ دم بے پردہ آئے لاش پر
جو نہ دیکھا تھا تماشا عمر بھر دکھلا دیا

اس کے دل میں اب خیال قتل ہر دم آئے ہے
موت کو کس نے الٰہی میرا گھر دکھلا دیا

گو حسد سے کچھ ہوا اب بھی ہوئی ہی ناصح کی بات
ناحق اس جانِ جہاں کو اک نظر دکھلا دیا

نام الفت کا نہ لو نکلا جب تلک ہے دم میں دم
تم نے چاہت کا مزہ اے فتنہ گر دکھلا دیا

جب کہا دل پھیر دو بولے کہ دل پہلو میں ہے
میں نے ان کی ضد سے سینہ کا ٹکڑا دکھلا دیا

اس قیامت قد کو شب دیکھا تھا ہم نے خواب میں
دل نے محشر کا سماں وقت سحر دکھلا دیا

صورتِ اغیار کو دیکھے ہے وہ حیرت زدہ
میرے رنگِ رُخ نے آئینہ مگر دکھلا دیا

سخت کمبختی ہوئی یہ بھی نصیبوں کا لکھا
غیر کو خط نامہ بر نے بے خبر دکھلا دیا

دیکھیں گے مومن یہ ہم ایمان بالغیب آپکا
اُس بُتِ پردہ نشیں نے جلوہ گر دکھلا دیا

غیروں پہ کھُل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غمّاز دیکھنا

اڑتے ہی رنگِ رُخ مرا نظروں سے تھا نہاں
اِس مُرغِ پرشکستہ کی پرواز دیکھنا

دشنام یار طبعِ حزیں پر گراں نہیں
اے ہمنفس نزاکتِ آواز دیکھنا

دیکھ اپنا حالِ زار منجّم ہوا رقیب
تھا سازگار طالعِ ناساز دیکھنا

بدکام کا مآل بُرا ہے جزا کے دن
حالِ سپہرِ تفرقہ انداز دیکھنا

مت رکھیو گردِ تارکِ عشاق پر قدم
پامال ہو نہ جائے سرافراز دیکھنا

کشتہ ہوں اُس کی چشمِ فسوں گر کا اے مسیح
کرنا سمجھ کے دعوئ اعجاز دیکھنا

میری نگاہِ خیرہ دکھاتے ہیں غیر کو
بے طاقتی پہ سرزنشِ ناز دیکھنا

ترکِ صنم بھی کم نہیں سوزِ جحیم سے
مومن غمِ مآل کا آغاز دیکھنا

کہہ رہا ہے کون کس سے بے شکیبائی ملا
مجھ کو قسمت سے نصیحت گر بھی سودائی ملا

میرے گھر بھی پھرتے چلتے ایکدن آجائیگا
دو مبارکباد اب کی یار ہرجائی ملا

گور میں بھی جوشِ غم دل سے نہ نکلا ہائے ہائے
آپ ہی میں ہم نہیں جب کنجِ تنہائی ملا

ہم بھی تو ناداں ہیں آخر پاس مطلب کس لئے
خضر موسیٰؑ کو پئے تعلیم دانائی ملا

پند گو حالِ زلیخا یاد کر کچھ خیر ہے
کام دل جس کو ملا یاں بعدِ رسوائی ملا

تلخکامی پر مجھے تجھ کو لبِ شیریں پہ ناز
آ مرے جادو سے اعجازِ مسیحائی ملا

ہے جنوں ایسے کے آگے ٹھیر نہ اے بوالہوس
دیکھتے ہی مجھ کو بھاگا جو تماشائی ملا

جستجو سے وصل دلبر کی تمنا کس لیے | کیا دلِ گم گشتہ اے ہنگامہ آرائی ملا

چھوڑ بتخانہ کو مومن سجدہ کعبے میں نہ کر
خاک میں ظالم نہ یوں قدر جبیں سائی ملا

ہم رنگ لاغری سے ہوں گل کی شمیم کا | طوفان یاد ہے مجھے جھونکا نسیم کا
چھوڑا نہ کچھ بھی سینہ میں طغیان اشک نے | اپنی ہی فوج ہو گئی لشکر غنیم کا
یاران نو کے واسطے مجھ سے خفا ہوئے | تم کو نہیں ہے پاس نیازِ قدیم کا
یاد آئی کافروں کو مری آہ سرد کی | کیونکر نہ کانپنے لگے شعلہ جحیم کا
از بسکہ ثبت نامہ ہے سوز تپ دروں | قاصد کا ہاتھ ہے یدِ بیضا کلیم کا
واعظ کبھی ملا نہیں کوئے صنم سے میں | کیا جانوں کیا ہے مرتبہ عرشِ عظیم کا
مارا ہے وصل غیر کے شکوہ پہ چاہیئے | مدفن جدا جدا مری لاش دونیم کا
کہتا ہے بات بات پہ کیوں جان کھا گئے | گویا کہ پک گیا ہے کلیجہ ندیم کا
واعظ بتوں کو خلد میں لیجائیں آگے کہیں | ہے وعدہ کافروں سے عذاب الیم کا

مومن تجھے تو وہب ہے مومن ہی وہ نہیں
جو معتقد نہیں تری طبع سلیم کی

جیوں نکہتِ گل جنبش ہے جی کا نکلجانا | اے باد صبا میری کروٹ تو بدل جانا
پالغز محبت سے مشکل ہے سنبھل جانا | اُس رُخ کی صفائی پر اس دل کا پھسل جانا
سینہ میں جو دل تڑپا دھر ہی تو دیا دیکھا | پھر بھول گیا کیسا میں ہاتھ کا پھل جانا
اتنا تو نہ گھبراؤ راحت یہیں فرماؤ | گھر میں مرے رہجاؤ آج اور بھی کل جانا
اے دل وہ جو یاں آیا کیا کیا ہمیں ترسایا | تو نے ہمیں سکھلایا قابو سے نکل جانا
کیا ایسے سے دعویٰ ہو محشر میں کہ میں نے تو | نظارہ قاتل کو احسان اجل جانا
ہے ظلم کرم جتنا تھا فرق پڑا کتنا | مشکل ہے مزاج اتنا اک بار بدل جانا

حوروں کی ثنا خوانی واعظ یونہی کب مانی — لے آگے ہے نادانی باتوں میں بہل جانا
عشق اُنکی بلا جانے عاشق ہو تو پہچانے — لو مجھ کو اطبّا نے سودے کا خلل جانا
کیا باتیں بناتا ہے وہ جان جلاتا ہے — پانی میں دکھاتا ہے کافور کا جل جانا
مطلب ہے کہ وصلت میں ہے بوالہوس آفت ہیں — اس گرمیٔ صحبت میں اے دل نہ پگھل جانا

دم لینے کی طاقت ہے بیمار محبت ہے
اتنا بھی غنیمت ہے مومن کا سنبھل جانا

کیا قہر طعن بوالہوس بے ادب ہوا — جرم رقیب قتل کا میرے سبب ہوا
محو جفا ستم کش الطاف کب ہوا — رحم اس کو میرے حال پہ آیا غضب ہوا
بوسے دم غضب لئے الٹی سمجھ کو دیکھ — بل جو پڑا جبیں پہ تمنّا کو لب ہوا
کس دن تھی اسکے دل میں محبت جو اب نہیں — سچ ہے کہ تو عدو سے خفا بے سبب ہوا
بجلی گری فغاں سے مری آسمان پر — جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا سو اب ہوا
جی طعن وصل حور سے کیا جلا دیا — روز جزا کا ذکر جو محفل میں شب ہوا
ازبسکہ تھی وصال میں غیروں سے ہمسری — عیش و سرور باعث رنج و تعب ہوا
تھا میں برنگ شعلۂ جوالہ بے قرار — جی خاک ہو گیا مجھے آرام جب ہوا
بر میں عدو کے سوئے بغل سے مری اٹھے — وہ کیا کہ سب کو جذبۂ دل سے عجب ہوا
اب اذن انتقام جفائے فلک تو دوں — سو بار جوش نالہ اجازت طلب ہوا

ربط بتان دشمن دیں اتہام ہے
ایسا گناہ حضرت مومن سے کب ہوا

اے آرزوئے قتل ذرا دل کو تھامنا — مشکل پڑا امر مرے قاتل کو تھامنا
تاثیر بے قراری ناکام آفریں — ہے کام اُن سے شوخ شمائل کو تھامنا
دیکھے ہے چاندنی وہ زمیں پر نہ گر پڑے — اے چرخ اپنے تو مہ کامل کو تھامنا

مضطر ہوں کس کا طرزِ سخن سے سمجھ گیا
اب ذکر کیا ہے سامعِ عاقل کو تھامنا

ہو صرفِ فغاں سے نہ کیونکر وہ مضطرب
مشکل ہوا ہے پردۂ محمل کو تھامنا

سیکھے ہیں مجھ سے نالۂ نہ آسماں شکن
صیاد اب قفس میں عنادل کو تھامنا

یہ زلف خم بخم نہ ہو کیا تابِ غیر ہے
تیرے جنوں زدے کی سلاسل کو تھامنا

اے ہمدم آہ تلخیِ ہجراں سے دم نہیں
گرتا ہے دیکھ جامِ ہلاہل کو تھامنا

سیماب وار مر گئے ضبطِ قلق سے ہم
کیا قہر ہے طبیعتِ مائل کو تھامنا

آغوشِ گور ہو گئی آخر لہو لہان
آساں نہیں ہے آپ کے بسمل کو تھامنا

سینہ پہ ہاتھ دھرتے ہی کچھ دم پہ بن گئی
لو جان کا عذاب ہوا دل کو تھامنا

باقی ہے شوق چاک گریباں ابھی مجھے
بس اے رفوگر اپنی انامل کو تھامنا

مت مانگیو اماں بتوں سے کہ ہے حرام
مومن زبانِ بیہدہ سائل کو تھامنا

لے اڑی لاشہ ہوا لاغر بس تن ہو گیا
ذرۂ ریگِ بیاباں اپنا مدفن ہو گیا

بن ترے اے شعلہ رو آتشکدہ تن ہو گیا
شمع قد پہ میرے پروانہ برہمن ہو گیا

تھی کمیں میں غارتِ ہوش و ہن ہنگامِ خواب
شب کی بیداری سحر کا خواب رہزن ہو گیا

ایک ہی جنبش میں تھی صد راحتِ خوابِ عدم
طفلہائے اشک کو گہوارہ دامن ہو گیا

میرے جلنے پر جو رویا غیر تیری بزم میں
سوزِ دل کو آبِ اشک آتش پہ روغن ہو گیا

پاؤں زنداں سے اٹھے کیا سر اٹھا سکتے نہیں
حلقۂ زنجیر آخر طوقِ گردن ہو گیا

جھانکتے ہیں کیا ملائک اِس پری رخسار کو
پردۂ توبرتو افلاک چلمن ہو گیا

شہر میں ہے شہرہ کس قدِ قیامت زا کا کیوں
جلوہ گاہِ حشر ہر ہر کوئے و برزن ہو گیا

ہم یقینی جوشِ وحشت سے فلک پر پہنچتے
خارِ دامنگیر پر عیسیٰ کی سوزن ہو گیا

آخر اشکوں کے بھر آنے نے ڈبویا ہے مجھے
چشم کا سوراخ کو کشتی کا روزن ہو گیا

خاک اڑائی میں نے کیا طرزِ جنونِ قیس کی　　شہ جہاں آباد سارا نجد کا بن ہوگیا
داغ سینہ سے دل و جان و جگر سب پھک گئے　　تھا چراغِ خانہ ہم کو برقِ خرمن ہوگیا
بیکسی سے نزع میں اپنے کو رویا آپ میں　　دم جو کچھ باقی رہا تھا صرفِ شیون ہوگیا

اپنے ڈھب کی کیا پڑھی اک اور مومنؔ نے غزل
دو ہی دن میں یہ تو کیا ماہرِ فن ہوگیا

میں ہلاکِ اشتیاقِ طرزِ کشتن ہوگیا　　دوستی کیا کی کہ اپنا آپ دشمن ہوگیا
دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہوں کو مرے　　تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہوگیا
ہوگیا سنکر نویدِ وصل شادی مرگ میں　　لب تلک یہ زمزمہ آیا کہ شیون ہوگیا
کونسا گذرا یہاں سے شہسوارِ نازنیں　　سبزۂ تربت مرا پامالِ توسن ہوگیا
زخم نو بھی مرہمِ زخمِ کہن ہے چارہ گر　　بند تیرِ یار سے سینہ کا روزن ہوگیا
نیم جلوہ کو بھی وہ کہتے ہیں اب پردگی　　جسم کا ہیدہ یہ کس کا صرفِ چلمن ہوگیا
بسکہ میں سارے برس روتا رہا غم میں ترے　　جیٹھ اور بیساکھ کا بھی چاند ساون ہوگیا
اُف رے گرمیِ عشق بریاں دل کی تسکین کے لئے　　خرمنِ گل پر جو لوٹا وہ بھی گلخن ہوگیا
اور کی چاہت کا تو نے جب مجھے پر خیال　　تب مجھے بھی تجھ سے وہم ربطِ دشمن ہوگیا
صاف تھا تو جب تلک مجھ سے تو میں بھی صاف تھا　　بدگمانی سے تری اب میں بھی بدظن ہوگیا

مومنؔ دیندار نے کی بت پرستی اختیار
ایک شیخِ وقت تھا سو بھی برہمن ہوگیا

قابو میں نہیں ہے دل کم حوصلہ اپنا　　اس جور پہ جیب کرتے ہیں تجھسے گلہ اپنا
لبیکِ حرم ہم ہیں ناقوسِ کلیسا　　پھر شیخ و برہمن میں ہے کیوں غلغلہ اپنا
تھا روز نخستیں غمِ شبہائے دراز آہ　　طفلی سے ہے اختر شمری مشغلہ اپنا
ملجاتے ہی اغیار نکل آتے ہیں باہر　　زنجیرِ در یار ہے یا سلسلہ اپنا

تھے وحشت میں ہمراہ مرے آبلۂ چند — سو آپ ہی پامال کیا قافلہ اپنا

اِس حال کو پہونچے ترے غصہ سے کہ اب ہم — راضی ہیں گر اعدا بھی کریں فیصلہ اپنا

زندہ نہ ہوا ہائے دل مردہ اگرچہ — تھا شور قیامت سے فزوں ولولہ اپنا

صورت وہی ظلمت وہی گردش ہی کیسے — حیراں ہیں کہ یہ چرخ ہے یا آبلہ اپنا

انصاف کے خواہاں ہیں نہیں طالب زر ہم
تحسین سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

رازِ نہاں زبانِ اغیار تک نہ پہونچا — کیا ایک بھی ہمارا خط یار تک نہ پہونچا

اللہ ری ناتوانی جب شدتِ قلق میں — بالیں سے سر اٹھایا دیوار تک نہ پہونچا

روتے تو رحم آتا سو اُس کے روبرو تو — اِک قطرہ خوں بھی چشم خونبار تک نہ پہونچا

عاشق سے مت بیاں کر قتل عدو کا مژدہ — پیغام مرگ ہے یہ بیمار تک نہ پہونچا

بے بخت رنگ خوبی کس کام کا میں تو — تھا گل ولے کسی کی دستار تک نہ پہونچا

مفت اوّلِ سخن میں عاشق نے جان دیدی — قاصد ترا بیان اقرار تک نہ پہونچا

تھی خارِ راہ تیری مژگاں کی یاد ہر شب — تا صبح خواب چشم بیدار تک نہ پہونچا

بختِ رسا عدو کا جو چاہے سو کہے اب — اکبار یار مجھ تک میں یار تک نہ پہونچا

غیروں سے اُس نے ہرگز نہ چھوڑی ہاتھا پائی — جب تک اجل کا صدمہ دوچار تک نہ پہونچا

مومن اُسی نے مجھ سے دی برتری کسی کو
جو پست فہم میرے اشعار تک نہ پہونچا

وعدے کی جو ساعت دم کشتن ہے ہمارا — جو دوست ہمارا ہے سو دشمن ہے ہمارا

یہ کاہ ربا سے بھی ہیں کم اے کشش دل — مذکور کچھ ایسا پس چلمن ہے ہمارا

افسوس موئے شمع شب وصل کی مانند — جو قہقہہ شادی ہے سو شیون ہے ہمارا

مہتاب کا کیا رنگ کیا دود فغاں نے — احوال شبِ تار سے روشن ہے ہمارا

دیتا نہیں اِس ضعف پہ بھی جوشِ جنوں چین ہر ریگِ رواں دشت میں توسن ہے ہمارا
تفریح نہ کیونکر ہو ہوا آ نہیں سکتی گویا درِ دلدار نشیمن ہے ہمارا
آغشتہ بسیحوں دست کو لو پوچھتے ہیں وہ اپنے کفِ جلادیں دامن ہے ہمارا
گر پاس ہے لوگوں کا تو آ جا کہ قلق سے ہے لاش کہیں اور کہیں مدفن ہے ہمارا
جذبِ دلِ اُسے کھینچ کے لائے تو کہاں لائے جو غیر کا گھر ہے وہی مسکن ہے ہمارا

بتخانے سے کعبے کو چلے رشک کے مارے
مومن بلدِ راہ برہمن ہے ہمارا

ہمسری اُس زلف سے اب یہ بھی لیسا ہو گیا لو مرے بختِ سیاہ کو اور سودا ہو گیا
گو جنازے پر عدو کے وہ خود ارا ہو گیا پر ہمارا ابھی تو مر جانا تماشا ہو گیا
کس طرح معلوم ہو حالِ دلِ گم گشتہ ہائے جو کبوتر ہے گیا واں نامہ عنقا ہو گیا
مرگ سے تھی زندگی کی آس ہو جاتی رہی کیوں بُری حالت نہ ہووے غیر اچھا ہو گیا
ظلم کا ثمرہ یہی تھا دیکھ کر گلہائے داغ بید مجنوں شرم سے وہ سرو رعنا ہو گیا
چشمہ حیواں بنا اس کے لبوں کی شرم سے پانی پانی لبسکہ اعجاز مسیحا ہو گیا
روزِ محشر کیا ہوا پھر کیوں شبِ دیجور ہے کیا ہمارا نامۂ اعمال یہ کچھ وا ہو گیا
بیوفائی ہے سرشت اُسکی سو وہم میں کہاں ہم مزاجی کے سبب سے غیر اپنا ہو گیا
جان و دل پر لشکر آرائی تھی جوشِ یاس کی مفت اِس بلوے میں شب خونِ تمنا ہو گیا
ہٹ گیا ہو گا دوپٹہ مُنہ سے سوتے میں کہیں شب یہاں رہنے کا تیرے سب میں چرچا ہو گیا
لگ گئی چُپ مجھکو تو بھی بات وہ کرتا نہیں کیا کہوں قسمت کو کہنا دشمنوں کا ہو گیا
شربتِ مرگ آبِ حسرت شورِ بختی زہر غم تلخکامی سے مجھے کیا کیا گوارا ہو گیا
رو دیا اُس نے جو میری لاغری کو دیکھ کر قطرۂ اشکِ ندامت مجھ کو دریا ہو گیا
ہے مشبک لبسکہ روتے روتے چشم اے ماہ رُخ شب جو اشک آیا سو اک عقدہ تاثیر کا وا ہو گیا

حق تو یہ ہے کیا غزل اک اور مومن نے پڑھی
آج باطل سارے استادوں کا دعویٰ ہو گیا

میں تو دیوانہ تھا اس کی عقل کو کیا ہو گیا
قیس کہتا ہے مجھے ناصح کو سودا ہو گیا

جوشِ عشق و حسن نے کیا رنگ بدلا دیکھنا
اشکِ خونی سے مرے مُنہ زرد اس کا ہو گیا

سینہ زن یا جامہ در ہوتا ہے بِن ماتم کوئی
آپ اپنے ہاتھ سے میں ہائے رسوا ہو گیا

صور تھی منقارِ مرغِ صبح پہلو سے مرے
وہ قیامت قد جو اٹھا حشر برپا ہو گیا

زخم کھایا زہر کھایا تو بھی کچھ ہوتا نہیں
دیر گذری مرگ کو کیا جانیے کیا ہو گیا

یہ کسی سے ہو کہ ان لطفوں پہ گستاخی نہ ہو
غیر ہمسا کب ہوا ہر چند ہمسا ہو گیا

یوں لبِ خنجر کے بوسے متصل لینے نہ تھے
زخم کاری کی ہنسی میں میرا کام ہو گیا

سرمہ تسخیر سے ہم خود مسخر کیوں نہ ہوں
آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہو گیا

نو فلک ہیں کیا کرے یہ نالۂ آتش فشاں
ایک دشمن سر سے کھویا اور پیدا ہو گیا

کفر ہے بے گلرخِ ترسا تماشائے چمن
گلشن اپنے حق میں اے مومن کلیسا ہو گیا

کیا رشکِ غیر تھا کہ تحمل نہ ہو سکا
ہیں جان کر حریفِ تغافل نہ ہو سکا

ہوتا ہے آہ صبح سے داغ اور شعلہ زن
کیسا چراغ تھا یہ کبھی گل نہ ہو سکا

اس نے جو دل کو مُنہ نہ لگایا دو نیم ہے
یہ جامِ جم ہوا قدحِ مُل نہ ہو سکا

عاشق نہ کہیں کہ انھیں قتلِ بغیر میں
مشکل بنی کچھ ایسی تساہل نہ ہو سکا

کہتے ہیں گلشن اپنی گلی اس کے دم سے تھی
دشمن جو ہم ترانۂ بلبل نہ ہو سکا

نفرت تھی اس قدر کہ نہ ٹھہرے وہ صبحدم
پاسِ درازیِ شبِ کاکل نہ ہو سکا

پروردۂ وفا سے کب ترکِ عاشقی
کیا ناز تھے کہ مجھ سے تحمل نہ ہو سکا

وہ عکس زلفِ چشمِ عدو میں پڑا نہ ہو
نظارہ مجھ سے جانبِ سنبل نہ ہو سکا

تنگی وہی رہی دلِ صد چاک کی ہوا　　یہ غنچہ پاش پاش مگر گل نہ ہو سکا

ہجرِ بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش زہر
غم پر حرام خوار توکل نہ ہو سکا

شوخ کہتا ہے بے حیا جانا　　دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا
شعلۂ دل کو ناز تابش ہے　　اپنا جلوہ ذرا دکھا جانا
شوق نے دور باش اعدا کو　　اس کی محفل میں مرحبا جانا
گلے لگتا ہے دمبدم مجھ کو　　طوقِ گردن نے کیا خفا جانا
اُسکے اُٹھتے ہی ہم جہاں سے اُٹھے　　کیا قیامت ہے دل کا آجانا
گھر میں خود رفتگی سے دھوم مچی　　کیونکہ ہو اس تلک مرا جانا
پوچھنا حالِ یار ہے منظور　　میں نے ناصح کا مدعا جانا
مے نہ اُتری گلے سے جو اُس بِن　　مجھ کو یاروں نے پارسا جانا

شکوہ کرتا ہے بے نیازی کا
تو نے مومن بتوں کو کیا جانا

اِس وسعتِ کلام سے جی تنگ آگیا　　ناصح تو میری جان نہ لے دِل گیا گیا
ضد سے وہ پھر رقیب کے گھر میں چلا گیا　　اے رشک میری جان گئی تیرا کیا گیا
یہ ضعف ہے تو دم سے بھی کب تک چلا گیا　　خود رفتگی کے صدمے سے مجھ کو غش آگیا
کیا پوچھتا ہے تلخیٔ الفت میں پند گو　　ایسی تو لذتیں ہیں کہ تو جان کھا گیا
کچھ آنکھ بند ہوتے ہی آنکھیں سی کھل گئیں　　جی اک بلائے جان تھا اچھا ہو گیا
میرا گلا ہنسی سے یونہی گھونٹتے تھے وہ　　کیا سوچ کر رقیب خوش آیا خفا ہو گیا
آنکھیں جو ڈھونڈھتی تھیں نگہ ہائے التفات　　گم ہو نا دل کا وہ مری نظروں سے پا گیا
جلتی ہے جان آتشِ خس پوش دیکھکر　　چلون سے شعلہ رو کوئی جلوہ دِکھا گیا

بوئے سمن سے شاد تھے اغیار بے تمیز — اس گُل کو اعتبار نسیم و صبا آگیا
آہِ سحر ہماری فلک سے پھری نہ ہو — کیسی ہوا چلی یہ کہ جی سنسنا گیا
آتی نہیں بلائے شبِ غم نگاہ میں — کس مہروش کا جلوہ نظر میں سما گیا
اے جذبِ دل نہ تھم کہ نہ ٹھہرا وہ شعلہ رو — آیا تو گرم گرم و لیکن چلا گیا
مجھ خانماں خراب کا لکھا کہ جان کر — وہ نامہ غیر کا مرے گھر میں گرا گیا
مہندی ملے گا پاؤں سے دشمن تو آن کر — کیوں میرے تفتہ سینے کو ٹھوکر لگا گیا

بوسہ صنم کی آنکھ کا لیتے ہی جان دی دی
مومن کو یاد کیا حجرالاسود آگیا

وہ ہنسے سُن کے نالۂ بلبل کا — مجھے رونا ہے خندہ گل کا
دھیان ہے غیر کے تحمّل کا — ہوش دیکھا ترے تغافل کا
ہم کسی شانہ بیں سے پوچھیں گے — سبب آشفتگی کاکل کا
لاش کس کی ہے یہ عدو سے نہ پوچھ — میں ہوں کشتہ ترے تجاہل کا
حال ساقی سے کہکے روتا ہوں — کہ محرک ہے خندۂ قلقل کا
نکہت اس زلف کی صبا میں ہو — اڑ گیا رنگ بوئے سنبل کا
جلوہ دکھلائے تا وہ پردہ نشیں — میں نے دعوی کیا تحمل کا
نالۂ شب نے یہ ہوا باندھی — ہو گیا گُل چراغِ بلبل کا

حیلۂ بے خودی سے ہے مومن
توڑنا ہم کو شیشۂ صبر کا

اشک وا اثر و نہ اثر باعثِ صد جوش ہوا — ہچکیوں سے میں یہ سمجھا کہ فراموش ہوا
جلوہ افزائی رُخ کے لیے مے نوش ہوا — میں کبھی آپ میں آیا تو وہ بیہوش ہوا
کیا یہ پیغام بر غیر ہے اے مرغِ چمن — خندہ زن یاد بہاری سے وہ گل گوش ہوا

ہے یہ غم گور میں رنج شبِ اوّل سے فزوں | کہ وہ مہرو مرے ماتم میں سیہ پوش ہوا

مجھ پہ شمشیرِ نگہ خود بخود آ پڑتی ہے | عاجز احوالِ زبوں سے وہ ستم کوش ہوا

آفریں دل میں رہی خنجرِ دشمن کے سبب | اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا

درد شانہ سے ترا محوِ نزاکت خوش ہے | کہ میں ہمدوش ہوں گو غیر بھی ہمدوش ہوا

وہ ہے خالی تو یہ خالی یہ بھرے تو وہ بھرے | کاسۂ عمر عدو حلقۂ آغوش ہوا

تو نے جو قہرِ خدا یاد دلایا مومن
شکوۂ جورِ بتاں دل سے فراموش ہوا

چلون کے بدلے مجھ کو زمیں پہ گرا دیا | اُس شوخ بے حجاب نے پردہ اٹھا دیا

برقِ آہ کو جو میں نے کہا مسکرا دیا | دل گرمیوں نے اُس کی کلیجا جلا دیا

فرماتے ہیں وصال ہے انجام کارِ عشق | کیا ناصحِ شفیق نے مژدہ سنا دیا

دھوتا ہے عہد نامۂ غیر اپنا حال دیکھ | آبِ حیا نے خطِ جبیں کیا مٹا دیا

تاثیرِ سوزِ دل کرہ نار ہے مگر | اس شعلہ رو کو سینہ سے مرے لگا دیا

کیا شاد ہوں کہ وہ ہے تلخکام تر | میری جو شورشوں نے عدو کو مزا دیا

دیکھا نہ میرے نالۂ آہن گداز نے | آئینہ دیکھنے کا تماشا دِکھا دیا

رشکِ فغاں کی ہائے رقیب آفرینیاں | محشر نے خفتگانِ زمیں کو جگا دیا

مٹی نہ دی مزار تلک آکے اُس پہ بھی | کہتے ہیں لوگ خاک میں اس نے مِلا دیا

ہمدم دکھا اب اس کو کسی ڈھب کہ رحم آئے | ناصح کو میرے حالِ زبوں نے رلا دیا

اُس کی شرارتوں سے جگر داغ داغ ہے | گل کھانے کو رقیب کا چھلا منگا دیا

ایسی غزل کہی یہ کہ جھکتا ہے سب کا سر
مومن نے اِس زمیں کو مسجد بنا دیا

دلِ قابلِ محبتِ جاناں نہیں رہا | وہ ولولہ وہ جوش وہ طغیاں نہیں رہا

ٹھنڈا ہے گرمجوشی افسردگی سے جی
کیسا اثر کہ نالہ و افغاں نہیں رہا

کرتے ہیں اپنے زخمِ جگر کو رفو ہم آپ
کچھ بھی خیالِ جنبشِ مژگاں نہیں رہا

دل سختیوں سے آئی طبیعت میں نازکی
صبر و تحملِ قلقِ جاں نہیں رہا

کیا اچھے ہو گئے کہ کھٹول سے بری ہوئے
یاروں کو فکرِ چارہ و درماں نہیں رہا

غش ہیں کہ بے دماغ ہیں گلِ پیرہن نمط
از بس دماغِ عطرِ گریباں نہیں رہا

آنکھیں نہ بدلیں شوخِ نظر کیونکہ اب کہ میں
مفتونِ لطفِ نرگسِ فتاں نہیں رہا

ناکامیوں کا گاہ گلہ گاہ شکر ہے
شوقِ وصال و اندوہِ ہجراں نہیں رہا

بے تو وہ تو وہ خاک سبکدوش ہو گئے
سر پر جنونِ عشق کا احساں نہیں رہا

ہر لحظہ مہر جلووں سے ہیں چشم پوشیاں
آئینہ زار دیدہ حیراں نہیں رہا

پھرتے ہیں کیسے پردہ نشینوں سے منہ چھپائے
رسوا ہوئے کہ اب غمِ پنہاں نہیں رہا

آسیبِ چشم قہر پری طلعتاں نہیں
اے انس اک نظر کہ میں انساں نہیں رہا

بیکاری امید سے فرصت ہے رات دن
وہ کاروبارِ حسرت و حرماں نہیں رہا

بے سیرِ دشت و بادیہ لگنے لگا ہے جی
اور اس خراب گھر میں کہ ویراں نہیں رہا

کیا تلخ کامیوں نے لبِ زخم سی دیئے
وہ شورِ اشتیاق نمکداں نہیں رہا

بے اعتبار ہو گئے ہم ترکِ عشق سے
از بسکہ پاسِ وعدہ و پیماں نہیں رہا

نیند آ گئی فسانۂ گیسو و زلف سے
وہم و گمانِ خوابِ پریشاں نہیں رہا

کس کام کے رہے جو کسی سے رہا نہ کام
سر ہے مگر غرور کا ساماں نہیں رہا

مومن یہ لافِ اُلفتِ تقویٰ ہے کیوں مگر
دلی میں کوئی دشمنِ ایماں نہیں رہا

کیا رم نہ کرو گے اگر ابرام نہ ہو گا
الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہو گا

کاش آپ وہ آئیں جو سنوں نازکی باتیں
قاصد سے ادا پاسخِ پیغام نہ ہو گا

ہاں جوشِ طپش پھیر چلی جائے گی پر تو
جھڑ جائیں گے فرسودہ اگر دام نہ ہوگا

ناکامیٔ امید پہ صبر آئے تو کیا آئے
ہر بات پہ کہتے ہو کہ یہ کام نہ ہوگا

منقوش دلِ خلق ہے ہر بیہنر کی خوبی
کتنا ہی کرے ظلم وہ بد نام نہ ہوگا

بیٹھا رہوں کیا منتظر دور میں ساقی
انسوں میں کوئی میکدہ آشام نہ ہوگا

اس جوشِ تپش پر مشکل سے رسائی
صد شکر گذر غیر کا تا بام نہ ہوگا

کیا کہیے دلِ شوخیٔ فطرت پہ جو آجائے
یہ تو میں سمجھتا تھا کہ وہ رام نہ ہوگا

گلرنگ ہوا گریۂ خوں سے مرا دامن
کیا اب بھی خجل چرخِ سیہ فام نہ ہوگا

خو ہو گئی ہجراں میں تڑپنے کی سب وصل
گو چین ہو دل کو مجھے آرام نہ ہوگا

ہیں پاک نظر ہم تو ہے ذوق فزا عشق
بے چاشنی بوسۂ دشنام نہ ہوگا

کم ظرفیٔ اغیار پہ ساقی کو نظر ہے
افسوس مے آلودہ لب جام نہ ہوگا

وہ شوخ فریبِ قلق غیر میں آیا
اب مجھ سے تو صبر اے دلِ ناکام نہ ہوگا

کیا فتنۂ محشر کو قدِ یار سے نسبت
بے خاص کشی ولولۂ عام نہ ہوگا

اغیار سے بے فائدہ ہے گرمیٔ صحبت
کاہے کو جلے گا جو کوئی خام نہ ہوگا

ہے مہر تجھے دیکھ کے شرمندہ و مشتاق
اتنا کہ ظہورِ سحر و شام نہ ہوگا

بلبل کے سے نالے کہ صبا کی سی کرو سعی
میرا نہ ہوا ہے وہ گلِ اندام نہ ہوگا

وہ مشق رہی اور نہ وہ شوق ہے مومن
کیا شعر کہیں گے اگر الہام نہ ہوگا

گر میں کمبخت وہ بخیل ہوا
مجھ کو چھیڑا آسماں ذلیل ہوا

گر یہی بیخودی ہے صہبا میں
کون مشتاق سلسبیل ہوا

آسمان راہ پر نہیں آتا
دعوئ خضر بے دلیل ہوا

ہائے وہ لا فہائے خود کامی
غیر ہر کام میں دخیل ہوا

اب تغافل ہے واں مگر گردوں / میرے آزار کا کفیل ہوا
کس قدر تیز رو ہے سوئے صنم / نامہ بر میرا جبرئیل ہوا
اثر حسن و عشق تھا بے مثل / میں ترا تو مرا عدیل ہوا
العطش زن سپہر یار و عدو / بے گنہ خوں مرا سبیل ہوا
آپ کی کون سے بڑھی عزّت / میں اگر بزم میں ذلیل ہوا
آتشِ آہ بے اثر سی مری / آسماں گلشن خلیل ہوا
کوتہی کی جواب میں جوں جوں / اور بھی میرا خط طویل ہوا

ہائے مومن شہادت بے اجر
بہرِ وصلِ صنم قتیل ہوا

غصّہ بیگانہ وار ہونا تھا / بس یہی تجھ سے یار ہونا تھا
کیا شبِ انتظار ہونا تھا / ناحق امیدوار ہونا تھا
کیوں نہ ہوتے عزیز غیر تمہیں / میری قسمت میں خوار ہونا تھا
مجھے جنت میں وہ صنم نہ ملا / حشر اور ایک بار ہونا تھا
گر نہ تھی اے دل اسکے رنج کی تاب / کیوں شکایت گزار ہونا تھا
خاک ہوتا نہ میں تو کیا کرتا / اس کے در کا غبار ہونا تھا
ہرزہ گردی سے ہم ذلیل ہوئے / چرخ کا اعتبار ہونا تھا
مرگِ شام وصال حرماں ہائے / صبحدم جاں نثار ہونا تھا
اور سے ہمکنار ہے دشمن / آج تو ہمکنار ہونا تھا
شکوۂ دہر پر کہا تم کو / آفتِ روزگار ہونا تھا
چشمِ بے اعتبار جاناں میں / کیا مرا اعتبار ہونا تھا
صبر کر صبر ہو چکا جو کچھ / اے دلِ بے قرار ہونا تھا

کوئے دشمن میں جا پکڑتا کیوں | کیا مجھے شرمسار ہونا تھا
وہ نمک پاش کبھی نہیں ہوتے | یوں ہی دل کو فگار ہونا تھا
خاک میں حیف یہ شراب ملے | محتسب بادہ خوار ہونا تھا
نہ گیا تیر نالۂ سوئے رقیب | مرغ عرشی شکار ہونا تھا

رات دن بادہ و صنم مومن
کچھ تو پرہیز گار ہونا تھا

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا | رنج راحت فزا نہیں ہوتا
بیوفا کہنے کی شکایت ہے | تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا
ذکر اغیار سے ہوا معلوم | حرف ناصح برا نہیں ہوتا
کس کو ہے ذوق تلخکامی لیک | جنگ بن کچھ مزا نہیں ہوتا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے | ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
اُس نے کیا جانے کیا کیا لیکر | دل کسی کام کا نہیں ہوتا
امتحان کیجیئے مرا جب تک | شوق زور آزما نہیں ہوتا
ایک دشمن کہ چرخ ہے نہ رہے | تجھ سے یہ اے دعا نہیں ہوتا
آہ طول امل ہے روز افزوں | گرچہ اک مدعا نہیں ہوتا
نارسائی سے دم رُکے تو رُکے | میں کسی سے خفا نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا | جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
حال دل یار کو لکھوں کیونکر | ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا
رحم کر خصم جانِ غیر نہ ہو | سب کا دل ایک سا نہیں ہوتا
دامن اس کا جو ہے دراز تو ہو | دستِ عاشق رسا نہیں ہوتا
چارۂ دل سوائے صبر نہیں | سو تمھارے سوا نہیں ہوتا

کیوں سُنے عرضِ مضطر اے مومن
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

کیا ہوا ہوا گر وہ بعدِ امتحاں اپنا
بیگنہ سزا پائے اب وہ دل کہاں

خار و خس میں گلشن کے بوئے گل جو آتی تھی
رشک سے کیا برباد آپ آشیاں اپنا

روز کا بگاڑ آخر جان پر بنا دے گا
ان کو شوق آرائشِ دل ہے بدگماں اپنا

دشنہ چھین لیگا کیا ہمنشیں شبِ فرقت
آپ عیب نہیں اپنے کون میری جاں کا اپنا

بعد مدت اُس کو سے یوں پھرے پہ تنگ آ کر
جائے جائے پھرتے ہیں پوچھتے مکاں اپنا

صبر بعد آسائش اِس قلق پہ مشکل تھا
عیشِ جاوداں نکلا رنجِ جاوداں اپنا

عشق بُت میں خود اپنو درخورِ پرستش ہیں
نام ہو گیا اتنا گم کیا نشاں اپنا

دل کے لینے تک ہے بس آپ کی خریداری
کیوں کریں وہ سودا ہم جس میں ہو زیاں اپنا

دل کی بیقراری سے ہر طپش زمیں فرسا
بہر خرمنِ گردوں شعلہ ہر فغاں اپنا

دیکھئے پس مردن حالِ جسم و جاں کیا ہو
مدعی زمیں اپنی دشمن آسماں اپنا

دیر و کعبہ یکساں ہے عاشقوں کو اے مومن
ہو رہے وہیں کے ہم جی لگا جہاں اپنا

ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا
مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا

اس حسن پہ خلوت میں جو حال کیا کم تھا
کیا جانئے کیا کرتا گر تو مری جا ہوتا

ایک ایک ادا سو سو دیتی ہے جواب اُسکے
کیونکر لبِ قاصد سے پیغام ادا ہوتا

اچھی ہے وفا مجھ سے جلتے ہیں جلیں دشمن
تم آج ہوا سمجھو جو روزِ جزا ہوتا

جنت کی ہوس واعظ بیجا ہے کہ عاشق ہوں
ہاں سیر میں جی لگتا گر دل نہ لگا ہوتا

اس تلخیٔ حسرت پہ کیا چاشنیٔ اُلفت
کب ہم کو فلک دیتا گر غم میں مزا ہوتا

تھے کوسے یا گالی طعنوں کا جواب آخر
لب تک غمِ غیر آتا گر دل میں بھرا ہوتا

ہے صلح عدو بحیط تھی جنگ غلط فہمی — جیتا ہے تو آفت ہے مرتا تو بلا ہوتا
ہونا تھا وصال اک شب قسمت میں بلا سے گر — تو مجھ سے خفا ہوتا میں تجھ سے خفا ہوتا
ہے بیخودی دائم کیا شکوہ تغافل کا — جب میں نہ ہوا اپنا وہ کیونکر مرا ہوتا
اس بخت پہ کوشش سے تھکنے کے سوا حاصل — گر چارۂ غم کرتا رنج اور سوا ہوتا
اچھی مری بدنامی تھی یا تری رسوائی — گر چھوڑ نہ دیتا میں پامال جفا ہوتا
دیوانے کے ہاتھ آیا کب بند قبا اس کا — ناخن جو نہ بڑھ جاتے تو عقدہ یہ وا ہوتا

ہم بندگیِ بت سے نہ ہوتے نہ کبھی کافر
ہر جائے گر اے مومن موجود خدا ہوتا

عدم میں رہتے تو شاد رہتے اُسے بھی فکرِ ستم نہ ہوتا — جو ہم نہ ہوتے تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتا
ہوئی خجالت سے نفرت افزوں گلے کئے خوب آخرِ دم — وہ کاش اک دم ٹھہر کے آتے کہ میرے لب پہ بھی دم نہ ہوتا
پڑا ہے مرنا بس اب تو ہم کو جو اُس نے خط پڑھ کے نامہ بر سے — کہا کہ گر سچ یہ حال ہوتا تو فرقِ انشا رقم نہ ہوتا
کسی کے جلنے کا دھیان آیا وگرنہ دودِ فغاں سے میرے — اگر ہزاروں سپہر بنتے تمہاری آنکھوں میں نم نہ ہوتا
جو آپ در سے اٹھا نہ دیتے کہیں نہ کرتا میں جبہہ سائی — اگرچہ یہ سرنوشت میں تھا تمہارے سر کی قسم نہ ہوتا
وصال کو ہم ترس رہے تھے جواب ہوا تو مزا نہ پایا — عدو کے مرنے کی جب خوشی تھی کہ اُسکو رنج و الم نہ ہوتا
جہان تنگ و ہجوم وحشت غم کہ دم پر بری بنی تھی — کہاں میں جاتا نہ جی ٹھہرتا کہیں جو دشتِ عدم نہ ہوتا
مگر رقیبوں نے سر اٹھایا کہ یہ نہ ہوتا تو بے مروت — نظر سے ظاہر حیا نہ ہوتی حیا سے گردن میں خم نہ ہوتا
وہاں ترقی جمال کو ہے یہاں محبت ہے روز افزوں — شریک یہ تھا بوالہوس بھی جو بیوفائی میں کم نہ ہوتا
غلط کہ صانع کو ہو گوارا خراشِ انگشت ہائے نازک — جوابِ خط کی امید رکھتے جو قول جف القلم نہ ہوتا
یہ بے تکلف پھرا رہی ہے کششِ دلِ عاشقاں کی اسکو — وگرنہ ایسی نزاکتوں پر خرامِ ناز اک قدم نہ ہوتا
وصال تو ہے کہاں میسر مگر خیالِ وصال ہی میں — مزے اڑاتے ہوس نکلتی جو ساتھ اندازِ رم نہ ہوتا

ہوا مسلماں میں اور ڈر سے نہ درسِ واعظ کو سنکے مومن
بنی تھی دوزخ بلا سے مجھکو عذابِ ہجرِ صنم نہ ہوتا

ردیف البا

گئے وہ خواب سے اُٹھ غیر کے گھر آخرِ شب
اپنے نالے نے دکھایا یہ اثر آخرِ شب

صبحدم وصل کا وعدہ تھا یہ حسرت دیکھو
مر گئے ہم دمِ آغازِ سحر آخرِ شب

شعلۂ آہ فلک رتبہ کا اعجاز تو دیکھ
اولِ ماہ میں چاند آئے نظر آخرِ شب

سوزِ دل سے گئی جاں بخت چمکنے کے قریب
کرتے ہیں موسمِ گرما میں سفر آخرِ شب

ملے ہو غیر سے بے پردہ تم انکار کے بعد
جلوہ خورشید کا سا تھا کچھ اُدھر آخرِ شب

صبحدم آنے کو تھا وہ کہ گواہی دے ہے
رجعتِ قہقریِ چرخ و قمر آخرِ شب

غیر نکلا ترے گھر سے گئی اس وہم میں جان
غُل ہوئے چور کے اُس کوچے میں گر آخرِ شب

دی تسلی بھی تو ایسی کہ تسلی نہ ہوئی
خواب میں تو مرے آئے وہ مگر آخرِ شب

مو سفیدی کے قریب اب رہے غفلت مومن
نیند آتی ہے بہ آرام دگر آخرِ شب

قتلِ عدو میں عذرِ نزاکت گراں ہے اب
مجھ میں ستم اُٹھانے کی طاقت کہاں ہے اب

وحشت سے میری سارے احبا چلے گئے
آنا ہے گر تو آؤ کہ خالی مکاں ہے اب

سجدے پر سر قلم ہو دعا پر زباں کٹے
گویا نہ وہ زمیں ہے نہ وہ آسماں ہے اب

قتلِ عدو نے شوقِ شہادت مٹا دیا
لب پر ہمارے غلغلۂ الاماں ہے اب

پیری میں وصل غیرتِ یوسف ہوا نصیب
بختِ وفا مثالِ زلیخا جواں ہے اب

کہہ دیں رقیب نے تری بے التفاتیاں ناصح ہمارے حال پہ کچھ مہرباں ہے اب

رکھ لے سر اپنے زانوے نازک پہ شوق سے تیرا مریضِ عشق بہت ناتواں ہے اب

چشمِ غضب سے مشورۂ قتل کھل گیا جو بات دل میں تھی سو نگہ سے عیاں ہے اب

بے طاقتی سے مجھ میں نہیں تابِ التفات بیہودہ فکرِ جور و سرِ امتحاں ہے اب

وہ دن گئے کہ لاف و گزافِ جہاد تھا
مومن ہلاکِ خنجرِ نازِ بتاں ہے اب

تم بھی رہنے لگے خفا صاحب کہیں سایہ مرا پڑا صاحب

ہے یہ بندہ ہی بے وفا صاحب غیر اور تم بھلے بھلا صاحب

کیوں الجھتے ہو جنبشِ لب سے خیر ہے میں نے کیا کہا صاحب

کیوں لگے دینے خطِ آزادی کچھ گنہ بھی غلام کا صاحب

ہائے ری چھیڑ رات سن سن کے حال میرا کہا کہ کیا صاحب

دمِ آخر بھی تم نہیں آتے بندگی اب کہ میں چلا صاحب

ستم آزار ظلم و جور و جفا جو کیا سو بھلا کیا صاحب

کس سے بگڑے تھے کس پہ غصہ تھا رات تم کس پہ تھے خفا صاحب

کس کو دیتے تھے گالیاں لاکھوں کس کا شب ذکرِ خیر تھا صاحب

نامِ عشقِ بتاں نہ لو مومن
کیجیے بس خدا خدا صاحب

تھی وصل میں بھی فکرِ جدائی تمام شب وہ آئے تو بھی نیند نہ آئی تمام شب

واں طعنہ تیر بار یہاں شکوہ زخم ریز باہم تھی کس مزے کی لڑائی تمام شب

رنگیں ہیں خونِ سر سے وہ ہاتھ آجکل رہے
جس ہاتھ میں وہ دستِ حنائی تمام شب

نالوں سے یاں زبانِ سحر تک نہیں لگی
تھا کس کو شغلِ نغمہ سرائی تمام شب

یکبار دیکھتے ہی مجھے غش جو آگیا
بھولے تھے وہ بھی ہوشربائی تمام شب

مرجاتے کیوں نہ صبح کے ہوتے ہی ہجر میں
تکلیف کیسی کیسی اُٹھائی تمام شب

گرمِ جوابِ شکوۂ جورِ عدو رہا
اُس شعلہ خو نے جان جلائی تمام شب

گھٹتا ہی مہرِ رشک تمھیں کیوں غیر گر نہیں
دن بھر ہمیشہ وصل جدائی تمام شب

دھر پاؤں آستاں پہ کہ اس آرزو میں آہ
کی ہے کسی نے ناصیہ سائی تمام شب

مومن میں اپنے نالوں کے صدقے کہ کہتے ہیں
اُسکو بھی آج نیند نہ آئی تمام شب

یاں سے کیا دنیا اُٹھ جاؤ گے گر رکتے ہیں آپ
تنگ آگیا میرا بھی دم کیوں اسقدر رکتے ہیں آپ

ضبطِ نالہ بوالہوس کا ننگ کے باعث نہیں
شرم سے آہ و فغاں کے بااثر رکتے ہیں آپ

سنگ لے وہ امتحانِ تاثیرِ حسن و عشق کا
ہم اِدھر رکتے ہیں آپ سے وہ اُدھر رکتے ہیں آپ

جذبِ دل نے غیر کے بھی کیا کہیں تاثیر کی
آج کیوں آتے ہوئے ہر گام پر رکتے ہیں آپ

جائیے پھر اُسکے کوچے دلکشا میں کس لئے
حضرتِ دل سینے میں آٹھوں پہر رکتے ہیں آپ

سچ کہو ہے کس سے وعدہ آج جاؤ گے کہاں
خود بخود بیٹھے ہوئے کیوں اپنے گھر رکتے ہیں آپ

یاس تم کو ہی نہیں تو جائیے غیروں کے پاس
[illegible] کس کے کہنے سے مگر رکتے ہیں آپ

وصلِ شیریں کی تمنا کوہ کن کو کیا کہوں
صحبتِ شاہاں سے اربابِ ہنر رکتے ہیں آپ

دل کسی بُت کو دیا اے حضرتِ مومن کہیں
وعظ میں کیوں برہمن کو دیکھ کر رکتے ہیں آپ

باب التاء

کیا دیکھتا خوشی سے ہے غیروں کے گھر بسنت
پھولی ہے یاں کچھ اور ہی اے بے خبر بسنت

واں تو ہے زرد پوش یہاں میں ہوں زرد رنگ
واں تیرے گھر بسنت ہے یاں میرے گھر بسنت

یہ کس کے زرد چہرہ کا اب دھیان بندھ گیا
میری نظر میں پھرتی ہے آٹھوں پہر بسنت

آوارگی ہے باعثِ نشو و نما کہ دیکھ
سرسبز جب ہوئی کہ پھری در بدر بسنت

ہم قیدیوں کو چاہئیں سونے کی بیڑیاں
اے چارہ گر جہان میں ہے جلوہ گر بسنت

اُس رشکِ گل کے ہاتھ تلک کب پہونچ سکے
سرسوں ہتیلی پر نہ جمائے اگر بسنت

کس کو بھلا خلل کہ یہ یرقاں کا ہے طبیب
پھولی ہے باغِ عشق کی یاں آن کر بسنت

ہے اولِ بہار یہ مستیوں کا جوش
دکھلائے ہے کچھ اب کی بہارِ دگر بسنت

مومن یہ کیا کہا کہ ہے رسمِ ہنود اب
کاہے کو لائیں گے وہ مری گور پر بسنت

سودا تھا بلائے جوش پر رات
بستر پہ بچھائے نیشتر رات

بگڑے تھے یہاں وہ آن کر رات
بے طور بنی تھی جان پر رات

ہم تا سحر آپ میں نہیں تھے
کیا جانیے ہے وہ کس کے گھر رات

افسانہ سمجھ کے سو گئے وہ
کام آئی فغانِ بے اثر رات

آئینہ میں ہو نہ محو جب وہ
سوتے نہیں اب وہ تا سحر رات

تارے آنکھیں جھپک رہے تھے
تھا بام پہ کون جلوہ گر رات

اندھیر پڑا زمانے میں ہائے
نہ دن کو ہے مہر نہ قمر رات

اس لیل و نہارِ غم نے مارا
ہے روزِ سپید سیاہ تر رات

کیا پوچھو ہو منکر و نکیر آہ
بگڑے ہے جو وہ طعنِ غیر پر رات

یہ بات بڑھی کہ مر گئے ہم
موت آئی تھی قصہ مختصر رات

اُس گھر میں ہے عیشِ خلد مومن
کیا جانے کہاں ہے دن کدھر رات

کرتے ہیں عدو وصل میں حرماں کی شکایت
تھی ہائے مؤثر غمِ ہجراں کی شکایت

یوں کرتے تھے وہ کب دلِ نالاں کی شکایت
کی ہوگی فلک نے مری افغاں کی شکایت

اے پردہ نشیں چلمن اُٹھا دے کہ نہ جل جائے
کرتا ہوں میں آتشِ پنہاں کی شکایت

ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملے وہ
دل ہی میں رہی رنجشِ جاناں کی شکایت

پامالِ ستم ہے دلِ ناکام کے ہاتھوں
کس مُنہ سے کروں لوحِ جاں کی شکایت

صد شکر وہ اُلجھی ہوئی تقریر نہ سمجھا
تھی بر بھی زلفِ پریشاں کی شکایت

ہے کس لئے مجھ سے اُسے دل دینے کا شکوہ
کرتا ہے جہاں میں کوئی احساں کی شکایت

کیا بابِ اجابت پہ گذر ہووے دعا کا
سُنتا ہے اثر کب ترے درباں کی شکایت

اے شورِ جنوں ڈر ہے زباں بند نہ ہو جائے
گر آئے لبوں پر مرے زنداں کی شکایت

کیوں طعنہ سمجھ کر ہے گلہ شکرِ جفا کا
جانے دو کہ بیجا ہے پشیاں کی شکایت

کس واسطے اے شمع زباں کاٹتے ہیں لوگ
کیا تو نے بھی کی تھی شبِ ہجراں کی شکایت

حورانِ بہشتی کو بتوں کا سا نہ پایا
مومن مجھے کیونکر نہ ہو ایماں کی شکایت

ردیف الثاء

اظہار شوق شکوہ اثر اُس سے تھا عبث — یعنی کہا کہ مرتے ہیں تم پر کہا عبث

میں ایک سخت جان ہوں گردوں سے پوچھ لو — تم کو خیال ہے مرے آزار کا عبث

تھا ہم پہ لطف تو ہے افزائشِ الم — صد شکر غیر ہو گئے اُس سے خفا عبث

اے مہروش یہ حسن تو ہرگز نہ چھپ سکے — چلون تو کیا ہی پردے کا بھی چھوٹنا عبث

امید وعدہ بھی تو نہیں روزِ ہجر میں — ہم سے وفائے زندگیِ بے وفا عبث

اس ضعف میں تو سینے سے آتا ہی ہے لب تک — کہتے ہیں اپنے نالے کو ہم نارسا عبث

کیا اپنے دردِ دل کا بھی شکوہ نہ کیجیے — اُلجھے ہے بات بات پہ لطف و وفا عبث

گر چارہ ساز حضرتِ عیسیٰ ہی کیوں نہ ہوں — گر دردِ عشق ہے تو اُمیدِ شفا عبث

جس غم میں مر رہے تھے وہ غم ہی نہیں رہا — افسوس مر کے دیکھا کہ جینا ہے کیا عبث

اے روزِ حشر کچھ شبِ ہجراں بھی کم نہیں — بدنام ہو جہان میں تیری بلا عبث

ہرگز نہ رام وہ صنمِ سنگ دل ہوا
مومن ہزار حیف کہ ایماں گیا عبث

ردیف الجیم

ہو نہ بیتاب ادا تمھاری آج — ناز کرتی ہے بیقراری آج

اڑ گیا خاک چرخ پر غبار اپنا — ہو گئی خاک خاکساری آج

نزع ہے اور روزِ وعدۂ وصل — ہے بہر طور دم شماری آج

مانعِ قتل کیوں ہوا دشمن — جان ہی جائے گی ہماری آج

تیرے آتے ہی دم میں دم آیا — ہو گئی یاس امیدواری آج

کوئی بھینچے ہے دل کو پہلو میں — کس نے کی اُس سے ہمکناری آج

اُس کے شکوہ سے ہو اثر ظاہر — کچھ تو کہتی ہے آہ و زاری آج

اک نئی آرزو کا خون ہوا — ہم ہیں اور تازہ سوگواری آج

چھُوٹ گئے مر کے نیشِ ہجر اس سے — کام کرتا ہے زخم کاری آج

بیکسی کیوں ہے نعش پر مجمع — کیا ہوئی تو مری پیاری آج

بھولے حضرت نصیحت اے ناصح — ہے کسی کی تو یادگاری آج

مومن اُس بت کو دیکھ آہ بھری
کیا ہوئی لاف دین داری آج

پنجۂ شانہ سے تو زلف گرہ گیر نہ کھینچ — دل سے دیوانہ کو مت چھیڑ یہ زنجیر نہ کھینچ

ہم تو بچتے نہیں تا شام وہ آئے بھی تو کیا — لے دعائے سحری منتِ تاثیر نہ کھینچ

اے ستم پیشہ مرے بعد کہاں نشۂ عشق — دیکھ خمیازۂ حسرت ہے یہ شمشیر نہ کھینچ

ہے دوا میری وہی سو نہیں ممکن کہ ملے — چارہ گر رنج و مصیبت پئے تدبیر نہ کھینچ

میں نہ کہتا تھا مصور کہ وہ ہے شعلہ مزاج — دیکھ تو صفحۂ قرطاس پہ تصویر نہ کھینچ

ہم جوانمرد محبت بھی سمجھ لیں گے بھلا — اپنی ایذا سے تو ہاتھ اے فلک پیر نہ کھینچ

روزِ غم کون بھلا آن کے ہوتا ہے شریک — انتظارِ اثرِ نالۂ شب گیر نہ کھینچ

اتنی فرصت دے ستمگر کہ پہنچ جائے اجل — دم کے دم اور بھی سینے سے مرے تیر نہ کھینچ

مومن اب کیشِ محبت میں کہ ہے سب جائز
حسرتِ حرمتِ صہبا و مزامیر نہ کھینچ

ردیف الحاء

گر چند سے اور یہی رہی یار کی طرح
ہم بھی بنیں گے بوالہوس عیار کی طرح

آواز گنبد اُس سے شکایت عدو کی تھی
ناچار چُپ ہیں صورتِ دیوار کی طرح

سونے دیا نہ اُس نے شبِ وصل میں بھی کیا
ہم جاگتے ہیں طالعِ بیدار کی طرح

پھرتا ہے بہرِ کشتنِ عاشق کو بہ کو
گردش میں ہے وہ چرخِ ستمگار کی طرح

ہوتے ہیں پائمالِ گل اے بادہ نو بہار
کس سے اڑائی تو نے ہر رفتار کی طرح

چینِ جبیں بلاؤ نگاہِ غضب ستم
کرتی ہے قتل اُس بتِ خونخوار کی طرح

خو رنجِ رشکِ غیر کی بھی ہم کو ہو گئی
اب اور کچھ نکالئے آزار کی طرح

ہوتے ہیں قتل غیر اُدھر ہے نگاہِ لطف
ارماں مرے نکلتے ہیں تلوار کی طرح

کرتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں
کب رو سکے گا دیدۂ خونبار کی طرح

بس ناز کی ضعف کہ گلگشت باغ میں
چبھتے ہیں میرے پاؤں میں گل خار کی طرح

دل میں ہوائے بت کدہ ظاہر میں کیا حصول
رہتا حرم میں مومنِ مکار کی طرح

رو یا کریں گے آپ بھی پہروں اسی طرح
اٹکا کہیں جو آپ کا دل بھی مری طرح

آتا نہیں ہے وہ تو کسی ڈھب سے داؤ میں
ملتی نہیں ہے ملنے کی اُس کے کوئی طرح

تشبیہ کس سے دوں کہ طرحدار کی مرے
سب سے نرالی وضع ہے سب سے نئی طرح

مر چُک کہیں کہ تو غمِ ہجراں سے چھوٹ جائے
کہتے تو ہیں بھلے کی وہ لیکن بُری طرح

نے تاب ہجر میں ہے نہ آرام وصل میں
کم بخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح

لگتی ہیں گالیاں بھی ترے منھ سے کیا بھلی — قربان تیرے پھر مجھے کہہ لے اُسی طرح

پامال ہم نہ ہوتے فقط جورِ چرخ سے — آئی ہماری جان پہ آفت کئی طرح

نے جائے واں بنے ہے نہ بِن جائے چین ہے — کیا کیجیے ہمیں تو ہے مشکل سبھی طرح

معشوق اور بھی ہیں بتا دے جہان میں — کرتا ہے کون ظلم کسی پر کسی طرح

ہوں جاں بلب بتانِ ستمگر کے ہاتھ سے
کیا سب جہاں میں جیتے ہیں مومنؔ اسی طرح

ردیف الخاء

عدو نے دیکھے کہاں اشکِ چشمِ گریاں سُرخ — نہ آستیں ہے نہ رومال ہے نہ داماں سُرخ

نمودِ حسنِ خطِ یار سے نہ ہو کیونکر — بہار ہے جو تہِ سبزہ ہو نمایاں سُرخ

تمھارے دشنہ کا دستِ جفا نے کام کیا — ہے زرد رنگِ گلو حلقۂ گریباں سُرخ

زبس فگار ہوئے پاؤں خارِ خارا سے — تمام دشت ہے جوں وسعتِ گلستاں سُرخ

ملی ہیں غیر نے پائے نگار سے آنکھیں — سرشکِ خوں سے نہیں پنجہ ہائے مژگاں سُرخ

گمانِ قہر سے اپنا تو رنگ زرد ہے اور — سیاہ مستیِ مے سے ہے چشمِ جاناں سُرخ

ہوا ہوں عشق میں گل پیرہن کے لازم ہے — مرا کفن بھی ہو جوں جامۂ شہیداں سُرخ

سراہتیں ہیں یہ طوفانِ اشکِ خونی کی — کہ ایک ایک شجر ہے برنگِ مرجاں سُرخ

کرم جو غیر پہ دیکھا لہو اُتر آیا — نہ پوچھ کیوں تری آنکھیں ہیں آج ناداں سُرخ

نوید مرگ انھیں جو ہیں زخمیِ لبِ یار — کہ رنگِ پاں سے ہوئے اور لعلِ خنداں سُرخ

نظارۂ رُخِ مردم سے کیوں نہ غم ہو کہ تھا — ہمارا رنگ بھی بیش ورودِ ہجراں سُرخ

ہمارے خون کا دھبہ جائے حشر تلک — وہ لاکھ بدلے قبا پر رہے گا داماں سرخ

غریقِ گریۂ خونی رہا نہ کر مومن
لباس یعنی پہنتے نہیں مسلماں سرخ

ردیف الدال

ہم دام محبت سے ادھر چھوٹے اُدھر بند — پرواز بھی کی آہ تو جوں طائرِ پر بند

دیکھا نہ کسی کی طرف ایمائے حیا سے — جادو کو کیا نرگسِ جادو نے نظر بند

یہ مُشتِ پرِ سوختہ ہو کیں گے قفس کو — تو ساتھ کسی کے مجھے صیاد نہ کر بند

وہ آخرِ شب آئے ہیں کچھ بات تو کر لوں — کر اپنی زباں دم کے دم اے مرغِ سحر بند

کیا ٹھہرے دلِ بوالہوساں میں تری لذت — شیشہ میں پری کرتے ہیں اربابِ ہنر بند

جا سکتے نہیں جاتے ہیں اُس کو میں جو ناصح — چھُٹ جائیں گے قصہ تو نے اگر بند

شاید کہیں تو نے بھی اُسے خواب میں دیکھا — آنکھیں تری اے بخت ہیں کیوں آٹھ پہر بند

اے سوزشِ سینہ مجھے وہ سینہ دکھا دے — کھولے تری گرمی سے وہ گھبرا کے گر بند

کیا حضرتِ مومن کہیں کعبے کو سدھارے
سنسان ہے گھر کس لئے کیوں آج ہے در بند

غربت میں گل کھلائے گا کیا کیا وطن کی یاد — جیسے قفس میں مُرغِ چمن کو چمن کی یاد

گلگوں قبا بن کے کیا قتل غیر کو — کیا آئی اپنے کشتۂ خونیں کفن کی یاد

از خویش رفتگی ہو عیاں گش نہ ہاں زماں — دکھلائے گی عدم ہی کہیں اس دہن کی یاد

تو آپ ان نہ ہو گے تو کیا جلنے کیا کرے — دشمن کے دل سے میرے دمِ شعلہ زن کی یاد

اے محتسب تو نے اگر شیشہ کو دیکھنا — آتی ہے مجھ کو سنگ دلِ دل شکن کی یاد

تا شکوہ غیر کا نہ کروں مجھ سے کہتے ہیں — کیوں سرگذشت تم کو بھی ہے کوہ کن کی یاد

پھر پیرہن کے ہوتے ہیں ٹکڑے برنگِ گل — پھر مجھ کو آ گئی کسی گل پیرہن کی یاد

ایسے ہی روز گر ستم نو بہ نو رہے — تم کو بھلا رہے گی سپہرِ کہن کی یاد

ہے کفر و بدعت ایک نہیں تار سبحہ سے

زنار مومن آئے ہے کیوں برہمن کی یاد

نامہ رونے میں جو لکھا تو بہے گا کاغذ — کہ بنا ہم گہرِ صفحۂ دریا کاغذ

اس کے کوچے سے چلا آئے ہے اڑتا کاغذ — پھاڑ کر پھینک دیا کیا مرے خط کا کاغذ

کیا جواب آئے کہ کثرت سے خطوں کے میرے — کیمیا یاب سیاہی بنی عنقا کاغذ

سب نوشتے ترے اغیار کو دکھلاؤں گا — جانتا ہے تو مرے پاس ہیں کیا کیا کاغذ

لکھ کے بدمستیِ غم تا کہ وہ میکش پڑھ لے — باندھ دیتا ہوں سرِ شیشۂ صہبا کاغذ

مشق کرتے ہیں وہ کیوں لفظ نظر بازی کی — پردۂ دیدۂ مشتاق ہے یہ یا کاغذ

رنگ اڑ جانے کا احوال اسے لکھنا ہے — زردیِ رخ سے زر افشاں ہی کرے گا کاغذ

وصف لکھوں ہیں تری آنکھ کے ڈوروں کا اگر — رنگِ گل خامہ دے اور نرگس شہلا کاغذ

ہو گیا اس لب لعل دُر دنداں کے سبب — نسخۂ نسخۂ اکسیر مسیحی کا کاغذ

ضد یہ ہے خط سے مرے تا وہ ہزاروں کھائے — دست اغیار میں بھی اگر کبھی دیکھا کاغذ

یاں تلک تو ہوں سیہ کار کوئی پڑھ نہ سکا — حشر میں جب مرے اعمال کا کھولا کاغذ

قبر میں چھوٹے عذابِ دلِ بیتاب سے ہم — نام جب لکھ کے ترا سینہ پہ رکھا کاغذ

تو غزل سنج ہے یا مرثیہ خواں اے مومن
رو دیا جس نے کہ دیکھا ترا لکھا کاغذ

ردیف الراے

نہ کیونکر بس ہو جاؤں کہ یاد آتا ہے رہ رہ کر
وہ تیرا مسکرانا کچھ مجھے ہونٹوں میں کہہ کہہ کر

کہاں لختِ جگر ہیں سیل گریہ میں چڑھا دریا
چلے آتے ہیں ڈوبے ہوؤں کے لاشے بہہ بہہ کر

بہار باغ دو دن ہے غنیمت جان اے بلبل
ذرا ہنس کھیل لے ہو زمزمہ پرداز چہچہ کر

نوید اے دل کہ رشکِ غیر سے چھوٹے اسے ہم نے
ستم کا کر دیا خوگر جفا و جور سہہ سہہ کر

ستم ہے شدتِ گریہ سرایت غم نے کی یہ کی
رکھے رومال چشم خونفشاں پہ لاکھ تہہ تہہ کر

لگی ہچکی یہ سر زانوئے غم پر ہے کہ یاد آیا
کسی کا ہاتھ سے ہم مار زانو پہ قہ قہ کر

خدا کو مان اپنی راہ لے کعبہ کو جا مومن
صنم خانہ میں کیا لیوے گا اے گم گشتہ رہ کر

اے تند خو جا کہیں تیغا کمر سے باندھ کر
کن حوصلوں سے ہم کفن پھرتے ہیں سر سے باندھ کر

یا وہ ڈبوئے گا زمیں یا ہم ڈبوئیں گے فلک
آجائے تو دیتے ہیں ہم قطرہ ابر تر سے باندھ کر

خط میں تو لکھ سکتا نہیں احوالِ سوزِ دل اسے
پر بھیج دوں جی میں ہے پروانے کے پر سے باندھ کر

دشمن سگِ کوچہ ہوا اس شوخ آہو چشم کا
نادم ہوں کعب گرگ کے پا نامہ بر سے باندھ کر

ہے سرخ خنجر ٹپکا اور خونِ خضر میں رنگا ہوا
کیا قتل پر پھر کمر نکلے ہو خنجر سے باندھ کر

آ جھانک تو بھی تو کہیں بے دید کیسی ٹکٹکی
بیٹھے ہوئے ہیں روزنِ دیوار و در سے باندھ کر

جراح کیا سوچا تھا کیا رنگ دیکھا کیا ہوا
کیوں کھول لی پٹی مرے زخمِ جگر سے باندھ کر

دیوانۂ نازک ہوں ہیں فصّاد مژگاں نیشتر — لے فصد کیے ہاتھ کو تارِ نظر سے باندھ کر

مومن سے اچھی ہو غزل تھا اسلیئے یہ ورشور
کیا کیا مضامیں لائے ہم کس کس ہنر سے باندھ کر

جاتے تھے صبح رہ گئے بیتاب دیکھ کر — طالع ہمارے چونک پڑے خواب دیکھ کر
پایا جو دشمنوں نے ترے پاس اعتبار — آنکھیں چُراتے ہیں مجھے احباب دیکھ کر
یہ تشنہ کامی نگہِ گرم دیکھنا — حیرت سے رو دیا طرفِ آب دیکھ کر
توبہ کہاں کدورتِ باطن کے ہوش تھے — غش ہو گیا میں رنگِ مےِ ناب دیکھ کر
اٹھی نہ نعش بھی ترے کوچے سے بعد قتل — ہم رہ پڑے زمین کو شاداب دیکھ کر
رُوئے وہ میرے حال پہ حیران کیوں نہ ہوں — آنکھیں سی کھل گئیں دُرِ نایاب دیکھ کر
شوقِ وصال دیکھ کہ آیا عدو کے گھر — سوجھا نہ کچھ مجھے شبِ مہتاب دیکھ کر
ہے بے تمیز عشق وہ ہو کر آج تک نہیں — وہ جھینپتے پھرتے ہیں مجھے بیتاب دیکھ کر

مومن یہ تاب کیا کہ تقاضائے جلوہ ہو
کافر ہوا ہیں دین کے آداب دیکھ کر

یاد اُس کی گرمیِ صحبت دلاتی ہے بہار — آتشِ گل سے مرا سینہ جلاتی ہے بہار
کوہ و صحرا میں لیے فرحت پھراتی ہے بہار — میں تو کیا اُن کو بھی دیوانہ بناتی ہے بہار
کھل چلی نرگس کہ شرماتی ہی جاتی ہے بہار — دیکھ کر اُس کی بہار آنکھیں چُراتی ہے بہار
جلوۂ لالہ رقیبوں کو دکھاتی ہے بہار — داغ کھانے پر مرے کیا داغ کھاتی ہے بہار
آمد آمد ہے چمن میں کس سمن اندام کی — سبزۂ خوابیدہ سے مخمل بچھاتی ہے بہار
خاک تو مُرغِ گلستاں کو خزاں ہی نے کیا — دیکھیے اب اُن کو کیا خاک اُڑاتی ہے بہار

ہے خزاں میں بھی وہی جوشِ جنوں کیا ہو گیا
اب کہیں پاس اپنے ہم کو ہی بلاتی ہے بہار

جوشِ گل سے یاد آتی ہیں تری رنگینیاں
رنگِ رفتہ سے مرے کیا رنگ لاتی ہے بہار

داغ اور زخم اسمیں ہیں جو لالہ و گل اسمیں ہیں
فصل ہی یا آپ کے عاشق کی چھاتی ہے بہار

امتیازِ دلدہی و دلبری میں فرق ہے
تم کو بھاتی ہے خزاں اور ہم کو بھاتی ہے بہار

محو حیرت کو وصال و ہجر دونوں ایک ہیں
بلبلِ تصویر کو کب یاد آتی ہے بہار

میری ضد سے غیر پر تیری عنایت دیکھ کر
سبزۂ بیگانہ کے قربان جاتی ہے بہار

اب دلے فصل ہی میں غیر بھی کھاتے ہیں گل
دیکھیے اس سال کیا کیا گل کھلاتی ہے بہار

چشم گلشن پر قدم رکھتا ہوا کو آئے گا
عطر فتنہ میں گلِ نرگس بساتی ہے بہار

خندۂ دیوانگی یاں بعد مردن بھی رہا
خاک سے اُگتے ہیں گل اُن کو ہنساتی ہے بہار

کچھ سوائے گریہ جوں ابر اپنی قسمت میں نہیں
زعفراں ہی کیوں نہ ہو مجھ کو رلاتی ہے بہار

غنچہ ہائے آرزوے مومن لب کھلنے کو ہیں
خیر مقدم گلشن ایماں میں آتی ہے بہار

بے مروت ناتواں ہیں یاں نفس کے روتا دیکھ کر
دل دیا میں نے اُسے کیا جانیے کیا دیکھ کر

خواب میں کیا خوش ہو یوسف کو زلیخا دیکھ کر
کھل گئیں آنکھیں تجھے اے جلوہ آرا دیکھ کر

تھی جہنم وہ نگاہِ گرم بھی سوئے عدو
سو بھی اپنی عاقبت کی ہم کو دنیا دیکھ کر

قیس کی دیوانگی میں عقل کیا حیران ہے
مجھ کو وحشت ہو گئی تصویر لیلا دیکھ کر

چشم نرگس بد نظر ہے اور گل بے اعتبار
بے وفا سیر گلستاں کیا کرے گا دیکھ کر

خاک میں کیونکر نہ لوٹوں بندھ گیا سودے میں دھیان
اُس کے صحن خانہ کا پہنا ہے صحرا دیکھ کر

تاش کا ہمدم کفن لانا کہ بس میں مر گیا
جلوئوں سے جلوۂ خورشید سیما دیکھ کر

یاد آیا سوئے دشمن اُس کا جانا گرم گرم | پانی پانی ہو گیا ہیں موجِ دریا دیکھ کر

اُس کے مٹتے ہی اندھیرا آ گیا ایسا کہ بس | گر پڑا میں روزنِ دیوار کو وا دیکھ کر

کیا تماشا تھا جھپکنا آنکھ کا بے اختیار | آئنہ کو ہاتھ سے اُس نے نہ چھوڑا دیکھ کر

میں نہ مانوں گا کہ چشم آبلہ بے دیدہ ہے | یہ نہ دیکھے رہ گئے غیب اپنے کفِ پا دیکھ کر

پھر گئی آنکھوں کے آگے اُنکی چشم شرمگیں | پھر گئیں آنکھیں مری نرگس کا جھکنا دیکھ کر

دشمنی دیکھو کہ تا اُلفت نہ آ جائے کہیں | لے لیا مُنھ پر دوپٹہ حال میرا دیکھ کر

کیوں نہ گھبرائے وہ میں گھبرا گیا بلبلے ہجوم | حسرتیں آتی ہیں کیا کیا اُس کو تنہا دیکھ کر

انتظار رہا ہوش میں تو نہ ہوئیں آنکھیں سفید | شب وہم آتا ہے سوئے چرخِ خضرا دیکھ کر

کاٹ لینے دو گلا تم شوق سے گھر جائیو نا | لیک رقصِ نیم بسمل کا تماشا دیکھ کر

ق

سب تمہارے نہاں نظروں میں تھے ناصح پوچھ | کیا کہوں میں غش ہوا کیا سوچ کر کیا دیکھ کر

جو نقاب اُٹھی مری آنکھوں پہ پردہ پڑ گیا | کچھ نہ سوجھا عالم اُس پردہ نشیں کا دیکھ کر

کر لیا خاک آپ کو اُس بت کے در پر ہائے ہائے
جل گیا جی اُس کو مومن کی جلبت دیکھ کر

ردیف الراء ہندی

مومن خدا کے واسطے ایسا مکاں نہ چھوڑ | دوزخ میں ڈال خلد کو کوئے بتاں نہ چھوڑ

عاشق تو جانتے ہیں وہ اے دل یہی سہی | ہر چند بے اثر ہے پر آہ و فغاں نہ چھوڑ

اُس طبعِ نازنیں کو کہاں تابِ انفعال | جاسوس میرے واسطے اے بدگماں نہ چھوڑ

ناچار دیں گے اور کسی خوبرو کو دل | اچھا تو اپنی خوئے بد اے بدزباں نہ چھوڑ

زخمی کیا عدو کو تو مرنا محال ہے
قربان جاؤں تیرے مجھے نیم جان نہ چھوڑ

کچھ کچھ درست سے تری ضد ہی سے جلے ہیں ہم
ایک چند اور کجروی سے اے آسمان نہ چھوڑ

جس کوچہ میں گذار صبا کا نہ ہو سکے
اے عندلیب اسکے لئے گلستاں نہ چھوڑ

گر پھر بھی اشک آئیں تو جانو کہ عشق ہے
حقہ کا منہ سے عنبر کی جانب دھواں نہ چھوڑ

ہوتا ہے اس جحیم میں حاصل وصال حور
مومن عجب بہشت ہے دیر مغاں نہ چھوڑ

ردیف الزاء

ہے چشم بند پھر بھی ہیں آنسو رواں ہنوز
جی سرد ہو گیا ہے ولے دل طپاں ہنوز

یہ دن دکھائے ہیں شب فرقت نے ہم کو اے
وہ رشک آفتاب نہیں مہرباں ہنوز

مر بھی گئے جدائی میں پردہ نشیں کی پر
آیا نہیں زباں پہ دردِ نہاں ہنوز

ہم تیرہ بخت خاک میں بھی مل گئے ولے
کچھ کم نہیں غبارۂ دل آسماں ہنوز

یاں امتحان مرگ سے فارغ ہوئے ہیں یار
واں اپنے ہی پہ مرنے کا ہے امتحاں ہنوز

تشبیہ دی تھی میں نے کہیں انگبیں سے
تبخالہ خیز ہے لب شیریں دہاں ہنوز

باغِ جہاں میں گو مہ خود داد آگیا
یاں ہے اسی بہار پہ فصل خزاں ہنوز

روز جزا نہ قتل کا انکار کر کہ ہے
دامن پہ تیرے میرے لہو کا نشاں ہنوز

یاں اپنا ان کی چاہ میں مرنا یقیں ہوا
واں اور ہی کے چاہنے کا ہے گماں ہنوز

مومن تو مدتوں سے ہوئے پر بقول درد
دل سے نہیں گیا ہے خیال بتاں ہنوز

ہجراں کا شکوہ لب تلک آیا نہیں ہنوز
لطفِ وصال غیر نے پایا نہیں ہنوز

لے جذبِ دل وہ شوخ ستمگر تو یک طرف
پیغام لے کے بھی کوئی آیا نہیں ہنوز

جا چک عدا کے واسطے اے موسمِ بہار
خاکِ عدو پہ پھول وہ لایا نہیں ہنوز

یہ اہتمامِ حجب ہے کیا تو نے اے فلک
اندازِ غفلت اس سے اُڑا نہیں ہنوز

یک چند اور کاہشِ غم چشمِ التفات
میں یار کی نظر میں سمایا نہیں ہنوز

واعظ ہمارے سامنے کرتا ہی وصفِ حور
سمجھا ہے اُس نے جلوہ دِکھایا نہیں ہنوز

ہوں خوں گرفتۂ یار و شفاعت سے فائدہ
صیدِ اجل کسی نے چھوڑایا نہیں ہنوز

کیونکر مجھے گناہ دلیخا یقین آرے
دامن کو تیرے ہاتھ لگایا نہیں ہنوز

کیا سوزِ رشک کی دلِ اغیار کو خبر
دوزخ نے کافروں کو جلایا نہیں ہنوز

ایسے ستم کیے کہ مزاجی بٹھا دیا
ہر چند سر فلک نے اُٹھایا نہیں ہنوز

ناصح رقیب سے ہے بدآموز تر کہیں
پر میں نے تیرا حال سُنایا نہیں ہنوز

اب کی وفورِ عشقِ صنم میں ہے گفتگو
مومن وہ لب پہ ہائے خدایا نہیں ہنوز

لب پہ دم آیا ولے نالہ نہیں ہی ہنوز
نغمۂ غم بھی ترا پردہ نشیں ہے ہنوز

ہائے پسِ مرگ بھی دفن کریں مجھ کو غیر
خاک میں مل جائیے چرخ برسرِ کیں ہے ہنوز

لے کے دل و عقل و دیں پھر گئے غارتیِ عشق
اے اجل آ چک کہیں جان حزیں ہے ہنوز

روزِ جزا کیوں کیا خوں کا مرے اہتمام
مہرِ عدو بدگماں تجھ کو یقیں ہے ہنوز

مردہ و حیراں ہیں کیا شبہ پڑا دیکھنا
محوِ خود آرا ترا آئینہ بیں ہے ہنوز

چاک سراپردہ سے جھانکے تھے وہ ایک دن
سجدۂ محرابِ در شغلِ جبیں ہے ہنوز

کیوں نہیں لاتا اُسے آہ مری یاد ہے
کہہ دو فلک سے دمِ بازپسیں ہے ہنوز

دودِ دل و گردِ غم کیوں یہ اُمیدِ اثر
وہ ہی فلک ہے ہنوز وہ ہی زمیں ہے ہنوز

جھوٹ نہیں تیرے پاس بیٹھے ہیں بدتمیز
چین یہیں کیوں نہ ہوں فرش میں ہی ہے ہنوز

وصلِ بتاں کی دعا کرتے ہو شکرِ خدا
حضرت مومن یقیں دعویٰ دیں ہے ہنوز

ردیف السین

یوں ہے شعاع داغ مرے دل کے آس پاس
ہالہ ہو جس طرح مہِ کامل کے آس پاس

ڈوبا جو کوئی آہ کنارے پہ آ گیا
طغیان بحرِ عشق ہے ساحل کے آس پاس

یہ غیرتِ جفا کا اثر ہے کہ بوالہوس
بسمل تڑپتے ہیں ترے بسمل کے آس پاس

گیا دعویٰ آہ جب نہ رہا میں ہی کس لئے
ہیں جمع اقربا مرے قاتل کے آس پاس

اے قیس تیرے حال کی غیرت کو کیا ہوا
لیلیٰ نے رنگ باندھے ہیں محمل کے آس پاس

مرجائیں تا خوشی سے عدوسن وصال کی
یار و دعا کرو گلے مل مل کے آس پاس

کیا کیا جلی ہے بزم میں تجھ سے نہ جب پھرے
پروانے شمع شعلہ شمائل کے آس پاس

ہے تو ہی بے وفا نہیں باور تو دیکھ لے
گل جامہ در ہیں گو رعنادل کے آس پاس

کافر ہے کون ہم ہیں سے مومن پھرے ہے تو
کعبے کے آس پاس تو میرے دل کے آس پاس

کھا گیا جی غمِ نہاں افسوس
گھل گئی غم کے مارے جاں افسوس

میرے مرنے سے بھی وہ خوش نہ ہوا
جی گیا یوں ہی رائیگاں افسوس

شکوہ آزارِ غیر کا جو کروں — ہنس کے کہتا ہے وہ کہ ہاں افسوس

مرتے ہم غیر چھوٹتے نہ کیا — تو نے الفت کا امتحاں افسوس

گلِ داغِ جنوں کھلے بھی نہ تھے — آ گئی باغ میں خزاں افسوس

کشتۂ روزِ ہجر کا اُس کے — مرگ کرتی ہے ہر زماں افسوس

بے وفائی ہوئی وفا کا سبب — غیر سے ہے وہ بدگماں افسوس

مرگ پر اپنے ناتواں کی ترے — دل سے آیا نہ تا زباں افسوس

موت بھی ہو گئی ہے پردہ نشیں — راز رہتا نہیں نہاں افسوس

تھا عجب کوئی آدمی مومن
مر گیا کیا ہی نوجواں افسوس

ردیف الشین

کل دیکھ کے وہ عذارِ آتش — کیا کیا ہی جلی ہے یارِ آتش

پھونکا تپِ غم نے جی کو نکلے — دل کے ترے اب بخارِ آتش

ہوئے نہ مقابلِ تفِ دل — بھڑکائے کوئی ہزار آتش

ہاں سیر دکھائے گا کہیں تو — اے نالۂ شعلہ بارِ آتش

اُف ری تپِ گرمیِ محبت — اس نام پہ جاں نثارِ آتش

دل کو مرے پوج گبر جس کو — سجدے کرے بار بار آتش

تو نے تو وہاں لگائی مہندی — یاں دل میں لگی نگار آتش

مت آئیو مری خاک پر تو — برسے ہے سرِ مزار آتش

میں آہِ زبان کشش جو کھینچوں | باندھے ہے ابھی حصار آتش
دیکھے ہے تو اور لگی ہے دل میں | اے دیدۂ اشک بار آتش

پڑھتا ہے کہیں غزل جو مومن
لگ اُٹھتی ہے ایک بار آتش

کہاں نیند تجھ بن مگر آئے غش | تو یک صورتِ خواب دکھلائے غش
تمھاری گذر سے غش آ گیا | کیا لوٹے گل نے ادا لائے غش
نہ ٹھہرے بس آئینہ کو دیکھ کر | وہ اتنا کہ دیکھے تماشائے غش
قیامت جلوں میں ہوں نازک دماغ | نہ کیوں نکہتِ گل سے آجائے غش
ترے بال لاکر سونگھائے کہیں | کہ غش ہو گئے چارہ فرمائے غش
نہ ہو جب کہ میرا خیال و فات | تو کیا اُس ستمگر کو پروائے غش
خبر لو مری تم کہاں تک رہے | یہ حالت کہ غش پر چلا آئے غش

خدائی کا جلوہ ہے مومن کہ تو
گر اُس بُت کو دیکھے تو ہو جائے غش

ردیف الصاد

روز ہوتا ہے بیاں غیر کا اپنا اخلاص | چشم بد دور تمھیں ہم سے کبھی ہی کیا اخلاص
غیر کرتا ہے بیاں مجھ سے تو میں کہتا ہوں | یار ہے اب تک تو نہیں تجھ سے مرا سا اخلاص
غیر سے لطف کی باتیں ہیں مرے چھیڑنے کو | دشمنی کہتے ہیں جس کو وہ تمھارا اخلاص
ہم یہاں سورۂ اخلاص کا پڑھتے ہیں عمل | اور بڑھتا ہو وہاں غیر سے اُس کا اخلاص

مجھ سے مِل ورنہ رقیبوں سے میں سب کہہ دوں گا
دشمنی اب کی تری اور وہ پہلا اخلاص

جنبشِ لب کی ترے پوچھنے کو کیفیت
تیرے بیمار سے کرتا ہے مسیحا اخلاص

اُس ستمگر نے بناوٹ کی لگاوٹ بھی نہ کی
ہائے قسمت مری کچھ کام نہ آیا اخلاص

پسِ قتل آ مری خاطر سے ٹھہر جا تا دفن
ظالم آخر تجھے مجھ سے بھی کبھی تھا اخلاص

چاہتا ہے کہ دل اُس تنگ قبا سے پھٹ جائے
میرے ناصح کا ہے دُنیا سے نرالا اخلاص

اب اُنھیں لکھتے ہیں ہم خط میں سراسر دشمن
جن کو لکھتے تھے سدا یارِ سراپا اخلاص

موت بھی آ نہ پھری پاس ہمارے اب تک
سچ تو یہ ہے کہ بُرے وقت میں کیا اخلاص

• مومن اس زُہدِ ریائی سے بھی کیا بد تر ہے
اُس بُتِ دشمنِ ایماں سے ہمارا اخلاص

ردیف الضاد

بے صبر کو کہاں تپِ داغِ جگر سے فیض
گلچیں کو کب ہوا شجرِ بار ور سے فیض

زاہد نگاہ بھر کے وہ بے دید دیکھ لے
اتنا ہوا نہ خدمتِ اہلِ نظر سے فیض

یادِ خطِ نگار میں ہم زہر کھا مُوے
کیا آبِ زندگی کا ہوا ہی خضر سے فیض

بالطبع گر کرم ہو تو مفلس بھی ہے کریم
ہوتا ہے سا لکا شجرِ بے ثمر سے فیض

ہے چرخ سے اُمیدِ کشائش عبث ہمیں
کس کو ہوا ہے خانۂ وابستہ در سے فیض

ملنے کو خاک ہی ہیں بخیلوں کا مال ہے
دیکھو تو ہے کسی کو بھی غنچے کے زر سے فیض

شب بھر کیا ہے مبدءِ فیاض کا گلہ
تو بھی عیاں ہوا نہ دعائے سحر سے فیض

ترسا صنم پہ مر گئے ہم آہ جب ہوا
جاری مسیح کے لبِ اعجاز اثر سے فیض

تصویر سے تری مجھے تسکین دل کہاں
کیا خاک تشنہ کام کو آبِ گہر سے فیض

کیونکر نہ غم ہو خلق کو مومن کی مرگ کا
تھا سب کو اُس کی ذاتِ سراپا ہنر سے فیض

ہاں مان کہا بیچ بوسۂ زلف دوتا قرض
جاں اب تو نہیں حشر کے دن دیں گے صبا قرض

سمجھیں گے قیامت میں ستم پیشہ دمِ قتل
دیکھا نہ ادھر تو نے رہا خوں بہا قرض

کیونکر دے فلک دامِ عدد کو درمِ داغ
مفلس کو جہاں میں کوئی دیتا ہے بھلا قرض

گر کہئے کہ کیوں لیتے ہو تم دل کو تو وہ شوخ
کس ناز سے کہتا ہے کہ یوں دیتے ہو یا قرض

کچھ دینے کا بھی دیکھ لے اے آہ ٹھکانا
برتے پہ کس لوٹے پہ لیتی ہے تو تاثیر دعا قرض

افلاس سے کھایا کئے غم سبز خطوں کا
افسوس کہیں زہر بھی ہم کو نہ ملا قرض

گن گن کے دیے داغ فلک نے مجھے گویا
آتا تھا یہ اُس پہ زرِ نایاب مرا قرض

آمد سے فزوں خرچ ہے اے شورِ محبت
بخیوں کا مرے زخم سے کیونکر ہوا ادا قرض

ہم قرض یہ نقد دل اُسے دیتے ہیں مومن
جس نے نہ کبھی آج تلک لے کے دیا قرض

ردیف الطاء

ہر غنچہ لب سے عشق کا اظہار ہے غلط
اس مبحثِ صحیح کی تکرار ہے غلط

کہنا پڑا درست کہ اتنا رہے لحاظ
ہر چند وصل غیر کا انکار ہے غلط

کرتے ہیں مجھ سے دعویٔ الفت وہ کیا کریں
کیونکر کہیں مقولۂ اغیار ہے غلط

یہ گرم جوشیاں تری گو دل سے ہوں ولے
تاثیر نالہ ہائے شرر بار ہے غلط

کرتے ہو مجھ سے راز کی باتیں تم اس طرح
گویا کہ قول محرم اسرار ہے غلط

اُٹھ جا کہاں تلک کوئی باتیں اُٹھائے گا
ناصح تو خود غلط تری گفتار ہے غلط

تھا ربط غیر میں مرے مرنے کا انتظار
ہے شوخ بے وفا تو وفادار ہے غلط

کیا جذبِ انتظار کی تاثیر بے وفا
منکر نہ ہو تو پہلے ہی اقرار ہے غلط

ہے حرف کامیابیِ دشمن میں ہمنشیں
مت کہہ درست وہم غلط کار ہے غلط

سچ تو یہ ہے کہ اُس بُتِ کافر کے دور میں
لاف و گزافِ مومنِ دیندار ہے غلط

ردیف الظاء

ہاں تو کیونکر نہ کرے ترکِ بتاں اے واعظ
ایسی حوریں تری قسمت میں کہاں اے واعظ

منتظر ہے کسی بُت کا جو نہیں تو کیوں ہے
مجلسِ وعظ میں ہر سو نگراں اے واعظ

اب ذرا جان دہی کو ہے بتاں کی باتیں
ہو چکا تذکرۂ باغِ جناں اے واعظ

سچ ہے کافر تری تقریر سے کیونکر نہ جلیں
شعلۂ آتشِ دوزخ ہے زباں اے واعظ

حور کی مدح میں کیا ترکِ صنم کا مذکور
یہی باتیں ہیں مرے دل پہ گراں اے واعظ

ڈر مری آہ سے ظالم نہ جلا جی کہ نہیں
یہ جہنم سے تو کم شعلہ فشاں اے واعظ

اہلِ جنت سے کر دلبری حور کا ذکر
ایسی باتیں کوئی سُنتا نہیں یاں اے واعظ

جو ملیں تجھ سے بصد شوق وہ کیا ہو نہ گئے کر
بس مرے سامنے حوروں کا بیاں اے واعظ

کیسے آرام پسِ مرگ اگر کافر تو
اہلِ اسلام کا ہے دشمنِ جاں اے واعظ

شرم کی بات نہیں ہے یہ اثر ہو کیونکر
نہ میں مومن ہوں نہ تو پیرِ مغاں اے واعظ

ردیف العین

کس ضبط پر شرار فشاں ہے فغانِ شمع
اک برق تھی جو لال نہ ہوتی زبانِ شمع

دل گرمیِ فریب پہ بھی میں نثار ہوں
پروانہ کیا مجال کرے امتحانِ شمع

روشن ہے اہلِ بزم پہ شکوہ نسیم کا
اس بہکتی زبان پہ دیکھو بیانِ شمع

آتا ہے بےکسوں پہ تو جلّاد کو بھی رحم
روتی ہے شمع آپ سرِ کشتگانِ شمع

مجھ بے گنہ کے قتل میں کیوں سوچ دیکھ لے
بن بولے لوگ کرتے ہیں قطعِ زبانِ شمع

ہے تارِ گریہ تارِ نفس اہلِ سوز کو
یعنی روانِ شمع ہے اشکِ روانِ شمع

داغِ جدائی دُرِ دنداں و روئے و زلف
ہے اشکِ شمع و شعلۂ شمع و دخانِ شمع

سب گرمیِ نفس کی ہیں اعضا گداز یاں
دیکھو نہ زندگی ہے سراپا زبانِ شمع

اس کو بھی کوئی پردہ نشیں ہی جلائے ہے
فانوس سے سنا ہے یہ رازِ نہانِ شمع

اک اور پڑھ دو مومن شعلہ زباں غزل
جل جائیں جس کے رشک سے حاسد لسانِ شمع

محفل فروز تھی تپ و تابِ نہانِ شمع
پروانہ جل گیا کہ نہیں رازدانِ شمع

تھا شب چراغِ خانۂ دشمن وہ شعلہ رو
کیا کیا جلا ہے صبح تلک جی بسانِ شمع

اے سوزِ گریہ آگے تری آب و تاب کے
پانی بھرے ہے جلوۂ آتش فشانِ شمع

صحبت میں ایک رات کی کیا محو ہو گئی
اس بزم میں سحر کو نہ پایا نشانِ شمع

پہونچے تری نزاکت و گرمی کو کیا مجال
ہر چند موم جسم ہے اور شعلہ جانِ شمع

ہوں داغ بدگمانیِ دل بسکہ یار پر
پروانہ کو ہے سادہ دلی سے گمانِ شمع

حیرت فزا ہے حسن بہت کیا عجب اگر
تھم جائے تیری بزم میں اشکِ روانِ شمع

گر دیکھ لے رُخِ عرق آلودہ کو ترے
گھل جائے سوزِ رشک سے تا استخوانِ شمع

اب تک یہ سوزِ دل ہے کہ میرے مزار پر
مائل ہوا زمین کی جانب دخانِ شمع

لائیں نہ تاب حرفِ بتان کافرانِ عشق
پروانہ کو جحیم ہے مومن زبانِ شمع

ردیف الغین

مت کہہ شبِ وصال کہ ٹھنڈا نہ کر چراغ
ظالم جلا ہے میری طرح عمر بھر چراغ

پروانے کیوں نہ صدقے ہوں اس آگ کے کہ ہے
ہر رشتۂ فتیلۂ زخمِ جگر چراغ

وہ سوختہ جگر ہوں کہ پیمانہ و سبو
بنتے نہیں ہیں خاک سے میری مگر چراغ

زلفیں اٹھا دو رخ سے کہ دل کی جلن مٹے
بجھ جائے ہے جہان میں وقتِ سحر چراغ

اُس مہروش کے جلوہ کے قربان کیوں نہ ہوں
پروانہ کو بھی رات نہ آیا نظر چراغ

کیا بے تکلف آئے صداہائے شمع رو
گر میرے آبِ اشک سے ہو نوحہ گر چراغ

ہم پیشہ کے ہے سامنے عرضِ ہنر ضرور
جلتا ہے میرے گھر میں بطرزِ دگر چراغ

کیا خوب دشمنی ہے کہ چہرے کی تاب سے
ہے داغ بوالہوس تری مجلس میں ہر چراغ

غم خانہ تنگ و تار ہے اور ہم سیاہ اور
جلنے ہیں یعنی چاہیے آٹھوں پہر چراغ

ہے شامِ انتظار تماشائے سوختن
جلتے ہیں تا بصبح اِدھر ہم اُدھر چراغ

اُس شعلہ رو نے تا کہ پسِ مرگ بھی جلوں
جلوائے دشمنوں سے مری گور پر چراغ

مومن یہ شاعروں کا مرے آگے رنگ ہے
جوں پیشِ آفتاب ہو بے نور تر چراغ

گلشن میں لالہ میں ہوں کہ ہر دل میں جائے داغ
اپنے تو دل نشیں نہیں کچھ بھی سوائے داغ

کیا دُکھ نہ دیکھے عشق میں کیا کیا نہ پائے داغ
زخموں پہ زخم جھیلے ہیں داغوں پہ کھائے داغ

پہنا ہے کس کا جامۂ گلگوں دوز غیر نے
کیوں تنگ ہو گئی مرے تن پر قبائے داغ

کیا کہیے گرمیاں دلِ بیتاب کی کہ ہے
سینے میں ایک شعلۂ جوّالہ جائے داغ

کرتا ہے سخت ناخنِ غم رد خراشیاں
دل کو یہ کس کے چہرے کے چیچک کے بھائے داغ

اُس رشک مہر و مہ کی نشانی ہے دیکھنا
اے چشم اشکبار کہیں نہ جائے داغ

چھوڑا نہ لالہ زار میں ساتھ اُس نے غیر کا
سو بار سینہ چیر کے میں نے دکھلائے داغ

دیکھو تو سر دھری چرخ اُس سے گرم ہو
واں تو بغل رقیب کی یاں دل جلائے داغ

دوزخ میں کچھ عذاب نہ پایا زبسکہ میں
خو کردہ تھا یہ تابِ تپِ شعلہ ہائے داغ

وہ تو بغل میں غیر کے سینے سے لگ کے یاں
پہلو برائے زخم ہے سینہ برائے داغ

تاروں کے بدلے گن کے شبِ تار کاٹ دی
ایامِ ہجر میں مرے کیا کام آئے داغ

جلتا ہوں اہلِ نار کی تبدیل جلد سے
مومن غضب ہے آتشِ لذت فزائے داغ

ردیف الفا

مجلس میں تا نہ دیکھ سکوں یار کی طرف
وہ دیکھتا ہے مجھ کو دیکھ کے اغیار کی طرف

کتنا شعاعِ مہر نے حیران کیا ہمیں
تکتے ہیں کب سے روزنِ دیوار کی طرف

وہمِ فغانِ غیر نے سینہ جلا دیا
آتش لگی تھی کوچۂ دلدار کی طرف

شامِ فراقِ خوابِ عدم کا ہے انتظار
آنکھیں لگی ہیں دولتِ بیدار کی طرف

اُس نے دکھا دکھا کے مجھے چھیڑ دیکھنا
گل پھینکے عندلیبِ گرفتار کی طرف

ہے کیا قبول سجدہ شہیدانِ عشق کا
ہوں غوطۂ سر جھکاتے ہی تلوار کی طرف

دیکھ اشکِ لالہ گوں کو رقیب اُس نے ہنس دیا
دیکھا نہ میرے دیدۂ خونبار کی طرف

گلبانگِ نالہ ہے یہ نیا گل کھلا مگر
گذری نسیم آہ چمن زار کی طرف

اب رشکِ زخمِ یار پہ منصف کریں کسے
کی آ کے موت نے بھی تو اغیار کی طرف

دل بعد قتل بھی نہیں پھرتا کہ گور میں
مُنہ پھر گیا ہے کوئے ستمگار کی طرف

کافر لگے لگا ہے تو مومن کے مت مگر
دیکھ اپنے نقشِ رشتۂ زنّار کی طرف

ردیف القاف

وہ جو زندگی میں نصیب تھا وہی بعد مرگ رہا قلق
یہ قلق ہے کیسا کہ ہے ستم گئی جان پر نہ گیا قلق

کسی کے خرام کی یاد میں تہِ خاک بھی یہ رہا قلق
کہ زمیں کو زلزلے آئے جو بٹھائے مجھ کو ذرا قلق

بنے ہم یہ عالمِ جانکنی غرض اب تو جان پہ آ بنی
یہ عذابِ مرگ ہے یا تپش یہ خدا کا قہر ہے قلق

یہ کہاں کی جی کو بلا لگی مری ہائے کیونکہ یہ زندگی
کوئی کیا جیے جو ہو ایک سا شب و روز و صبح و مسا قلق

شبِ ہجر روزِ وصال کی تری خوش بیانی جو نظر میں تھیں
کہوں کیا تغیرِ حالِ دل کبھی تھا سکوں کبھی تھا قلق

نہیں چاہے میری اگر اسے نہیں اے دل اپنے تو کس لئے
تجھے روتے دیکھ وہ رو دیا مرا حال مومن کے ہوا قلق

غمِ ہجرِ یار کے ہاتھ سے شب و روز ہوں میں عذاب میں
ہے ہمیشہ ایک نئی تپش ہے مدام ایک نیا قلق

شبِ غم جو جذبۂ شوق سے ہوئی کشمکش یہ ستم ہوا
کہ وہ آتے آتے جو تھم گئے تو کسی طرح سے تھما قلق

کہا جل بجھ کے جو آئے تو مری زندگی ہو تو یوں کہا
ترے جینے کی مجھے کیا خوشی ترے مرنے کا مجھے کیا قلق

یہ فراقوں کی شکایتیں یہ جلانا غیر کا دیکھیو
کہے مجھ سے وہ ترے ہاتھ سے نہیں چین مجھ کو سوا قلق

نظرِ ابر پر جو کبھی پڑے تو خیال رونے کا آ بندھے
جو تپش کو برق کی دیکھوں تو مجھے یاد آئے ترا قلق

یہی دین اگر ہے تو چھوڑ دو طرف اُس صنم کے نہ رُخ کرو
جسے مومن آپ کے واسطے ہے مثالِ قبلہ نُما قلق

قہر ہے موت ہے قضا ہے عشق
سچ تو یہ ہے بُری بلا ہے عشق

اثرِ غم ذرا بتا دینا
وہ بہت پوچھتے ہیں کیا ہے عشق

آفتِ جاں ہے کوئی پردہ نشیں
کہ مرے دل میں آ چھپا ہے عشق

بُوالہوس اور لافِ جانبازی
کھیل ہی کیا سمجھ لیا ہے عشق

وصل میں احتمالِ شادیِ مرگ
چارہ گرِ دردِ بے دوا ہے عشق

سُوجھے کیونکر فریبِ دلداری
دشمنِ آشنا نما ہے عشق

کس ملاحت سرشت کو چاہا
تلخ کامی پہ با مزا ہے عشق

ہم کو ترجیح تم پہ ہے یعنی
دل ربا حُسن و جاں رُبا ہے عشق

دیکھ حالت مری کہیں کافر
نام دوزخ کا کیوں دھرا ہے عشق

دیکھیے کس جگہ ڈبو دے گا
میری کشتی کا نا خدا ہے عشق

اب تو دل عشق کا مزا چکھا
ہم نہ کہتے تھے کیوں بُرا ہے عشق

آپ مجھ سے نباہیں گے سچ ہے
با وفا حسن و بے وفا ہے عشق

میں وہ مجنونِ وحشت آرا ہوں　　نام سے میرے بھاگتا ہے عشق

قیس و فرہاد و وامق و مومن
مر گئے سب ہی کیا وبا ہے عشق

ردیف الکاف

امتحاں کے لئے جفا کب تک　　التفاتِ ستم نما کب تک

غیر سے بے وفا پہ تم تو کہو　　ہے ارادہ نباہ کا کب تک

جرم معلوم ہے زلیخا کا　　طعنۂ دستِ نارسا کب تک

مجھ پہ عاشق نہیں ہو کچھ ظالم　　صبر آخر کرے وفا کب تک

دیکھئے خاک میں ملاتی ہے　　نگہِ چشمِ سرمہ سا کب تک

کہیں آنکھیں دکھا چکو مجھ کو　　جانبِ غیر دیکھنا کب تک

نہ بلائیں گے وہ نہ آئیں گے　　جوشِ لبیک مرحبا کب تک

ہوش میں آ تو مجھ میں جان نہیں　　غفلتِ جرأت آزما کب تک

لے شبِ وصلِ غیر بھی کاٹی　　تو مجھے آزمائے گا کب تک

تم کو خو ہو گئی برائی کی　　درگذر کیجئے بھلا کب تک

مر چکے اب تو اس صنم سے لیں
مومن اندیشۂ خدا کب تک

ہم ہیں در نزع شبِ ہجر میں جاں ہونے تک　　صبر آتا ہی کوئی تابِ تواں ہونے تک

آسماں فتنہ کچھ ایسا نہیں اے اہلِ جہاں　　کوئی باقی نہیں رہنے کا اماں ہونے تک

شمع ساں اپنی تپش سے ہے تو سُنّے یا نہ سُنّے ۔ طے وہ ہووے گا یہ افسانہ زباں ہونے تک

اس چمن زار کا حسرت سے نظارہ کر لے ۔ اے نگہ دیدۂ ہر سو نگراں ہونے تک

کون جیتا ہے نگاہوں میں سبک ہونے کو ۔ سخت جانی ہی ترے دل پہ گراں ہونے تک

گر یہی نالۂ جانکاہ کے ہیں شور و شغب ۔ دم رہا کل ہے کو تا تیر فغاں ہونے تک

ہاتھ شاید کہ وہ سرمایۂ حسن آجاوے ۔ کچھ نہ کچھ فائدہ ہی جی کے زیاں ہونے تک

غم و غصہ سے ہے خلقت مری جوں طفل سرشک ۔ نہیں کرنے کی تُو قائم جواں ہونے تک

عند ہوئی محتسب و پیر مغاں ہیں مومن
عید ہر روز ہے اب کی رمضاں ہونے تک

پھر نہ چھوڑوں گو وہ کر دے پاک جیب جاں تلک ۔ ہاتھ پہونچا چاہیے اُس شوخ کے داماں تلک

خاک دے آنکھوں کو میری گردِ راہ کی مجھ سے تو ۔ سب مکرر ہیں ہو لے کوچۂ جاناں تلک

اول الفت میں یارب وصل ہی میں ہو وصال ۔ ہم کو تو جیتا نہ رکھیو آمد ہجراں تلک

سینے سے گھبرا کے آخر جان لب پر آ گئی ۔ حال پہونچا یاں تلک اور تم نہ آئے یاں تلک

کل کا جلنا بھولتا ہر گز نہیں اے اضطراب ۔ آج پھر لے چل کسی ڈھب سے مجھ تو واں تلک

گردش ہے کہ کنوئیں کے پاس پیاسا آ گئے ہے ۔ کیوں نہ آ پہونچی زلیخا مصر سے کنعاں تلک

طالع برگشتہ اے شوقِ شہادت دیکھنا ۔ مرگ دے قاتل پھر گئے سب خنجر براں تلک

نیند میں یارب دوپٹہ کس کے منہ سے ہٹ گیا ۔ ہے زمیں سے لے وشتی افلاک تو افشاں تلک

شوقِ بزمِ احمد و ذوقِ شہادت سے مجھے
جلد مومن لے پہونچ اس عہدِ دوراں تلک

ردیف الکاف فارسی

لگائی آہ نے غیروں کے گھر آگ ۔۔۔ ہوئے کیا کیا وہ اتنی بات پر آگ

وفورِ اشک و طغیان فغاں ہے ۔۔۔ کدھر جاؤں اُدھر پانی اِدھر آگ

سمندر کر دیا آتش رُخوں نے ۔۔۔ کہ گر پڑتا ہوں آتے ہی نظر آگ

جلایا آتشِ ہجراں نے دل کو ۔۔۔ ترے گھر میں لگی اے بے خبر آگ

نچوڑیں گے ہم اپنا دامنِ تر ۔۔۔ جہنم میں ہے اے واعظ اگر آگ

وہاں تاب رُخ یہاں آتشِ دل ۔۔۔ جدھر دیکھو اُدھر ہے جلوہ گر آگ

جلے کیا کیا شجر تربت پہ میری ۔۔۔ دبی تھی لاش کے بدلے مگر آگ

ز بس غیروں سے ہے وہ گرم صحبت ۔۔۔ مرا جلتا ہے جی کیا دیکھ کر آگ

دھواں اٹھتا ہے دل سے وقت گریہ ۔۔۔ بجھا دی تو نے کیا اے چشمِ تر آگ

حصولِ سوز دل جز داغ کیا ہو ۔۔۔ کہ نخل شعلہ لاتا ہے ثمر آگ

نکالا رنگ عالم سوز کس نے ۔۔۔ یہ کیوں بکھری پڑی ہے در بدر آگ

پڑھے مومن نے کیا کیا گرم اشعار
بھری تھی دل میں یا رب کس قدر آگ

ردیف اللام

بھلا پر بھی تجھ کو رحم نہیں یہ کہ سخت دل ۔۔۔ کم ہوئے گا جہاں میں تجھ سا بھی سخت دل

داغ جنون و سنگِ درِ یار ہو نصیب ۔۔۔ کرتا ہے رات دن ہوس تاج و تخت دل

گر جانتے کہ ہے شبِ ہجراں یہ کچھ بلا
دیتے کسی کو کاہے کو ہم تیرہ بخت دل

الماس ریزہ تھے مرے آنسو کہ ضبط سے
ہے پاش پاش سب جگر و لخت لخت دل

کیا شبہ مومن آہن و قمری کے کفر میں
کرتے ہیں نذرِ جلوۂ سنگ و درخت دل

مردِ عشق ستیزہ کار ہے دل
ملک الموت سے دو چار ہے دل

بسکہ مشتاقِ نازِ یار ہے دل
ستم آموزِ روزگار ہے دل

زلفِ مشکیں ہیں کاہے کو رکھتے
کیا خبر تھی اُنھیں فگار ہے دل

وصلِ جاناں کہاں سوائے خیال
ہم ہیں مایوس اُمیدوار ہے دل

دیکھ افراطِ زخم و کثرتِ داغ
سینہ گلزار و لالہ زار ہے دل

بسکہ تھے ہمزباں گلی میں تری
دل سے میں مجھ سے شرمسار ہے دل

بے دوا درد و بے وفا ہے وہ شوخ
بے اثر آہ و بے قرار ہے دل

تیرہ بختوں کے پیچ و تاب کا نہ پوچھ
غیرتِ زلفِ تابدار ہے دل

بسکہ اُس نے جلا کے خاک کیا
سرِ عشاق کا غبار ہے دل

کیا کہوں میں ہجومِ یاس و اُمید
رشکِ ہنگامِ انتظار ہے دل

شبِ ہجراں کو سمجھا روزِ جزا
مومن ایسا سیاہ کار ہے دل

کیا کروں کیونکر رکوں ناصح رکا جاتا ہے دل
پیش کیا چلتی ہے اُس سے جس پہ آ جاتا ہے دل

سوزشِ پروانہ دکھلاتے ہو کیا میں کیا کہوں
دیکھ جلتے شمعِ محفل کو جلا جاتا ہے دل

یا الٰہی مجھ کو کس پردہ نشیں کا غم لگا
سینے میں اندر ہی اندر کچھ گھلا جاتا ہے دل

حیرتِ دیدار بس آئینہ رکھ دے ہاتھ سے
اپنی حالت دیکھ کر ظالم کٹا جاتا ہے دل

کوئی سنتا ہی نہیں بکتا ہے کیوں دیوانہ وار
میرے دل کے ساتھ ناصح کا بھی کھایا جاتا ہے دل

مت بگڑ تو ہرزہ گردی سے مری انصاف کر
کچھ بھی بن آتی ہے جب اے بے وفا جاتا ہے دل

وہ ستمگر دلبرِ عالم ادھر آتا ہے آپ
کیا بنے گی دیکھئے رہتا ہے یا جاتا ہے دل

ہاتھ اُٹھا رے کس کے دل سے کس کے سینے پر دھرتے
ہاتھ سے اغیار کا بھی تو چلا جاتا ہے دل

آمدِ گریہ دمِ اندوہ بے موجب نہیں
سینے میں رکتا ہے جب آنکھوں میں آجاتا ہے دل

چاہتا ہوں میں تو مسجد میں ہوں مومن دلے
کیا کروں بتخانہ کی جانب کھنچا جاتا ہے دل

ردیف المیم

شام سے تا صبح مضطر صبح سے تا شام ہم
ایک عالم میں ہیں کیوں اے گردشِ ایام ہم

شب رہے تجھ بن بس بےچین بے آرام ہم
صبح تک لے دیکھئے لے لے کے تیرا نام ہم

یار دشمن نے ستایا جبکہ ہم عاشق ہوئے
بے گنہ اپنا ہی پھر دیویں کسے الزام ہم

کیا مزا پایا عدو سے بے مزہ ہو آپ نے
تلخکام عشق میں بیٹھے لالوئے دشنام ہم

بسکہ اک پردہ نشیں کے عشق میں ہے گفتگو
بات بھی کرتے نہیں جز صنعتِ ایہام ہم

آن بیٹھا کون کوٹھے پر جو یوں حیران سے
خاک پہ چپکے پڑے ملتے ہیں سوئے بام ہم

تو خبر لا کیا کہا قاصد سے چھپتے پھرتے ہیں
ہمدم اُس پردہ نشیں کو بھیج کر پیغام ہم

اس سیہ بختی پہ رکھیں تجھ سے اُمیدِ وفا
ایسے سودائی نہیں اے شوخ لیلیٰ فام ہم

آئینہ کا بوسہ لے تو عکسِ لب کو دیکھ کر
اور بس رہ جائیں یوں ناکام اے خودکام ہم

پہونچتے واں تک تم اُس پردہ نشیں کو دیکھتے ― کاش ہوتے چشمِ نرگس دیدۂ بادام ہم

گر ترے کوچے کو دی کعبے سے نسبت کیا گناہ
مومن آخر تھے کبھی اے دشمنِ اسلام ہم

سرمہ میں اُس چشمِ جادو فن میں ہم ― خاک ڈالیں دیدۂ دشمن میں ہم

ناتواں تھے پر نہ چھوڑا مثلِ خار ― خود اُلجھ کر رہ گئے دامن میں ہم

غیر کو جھانکا تو ڈھیلے آنکھ کے ― دیکھنا رکھ دیں گے روزن میں ہم

پھولے جامے میں سماتے ہی نہیں ― وصلِ شوخ چست پیراہن میں ہم

اور شبنم دن ٹھہرے کیا مجال ― رو دیے ہیں اے مہرِ وش گلشن میں ہم

کر دیا اُس جلوہ نے مجنوں چلو ― خاک اُڑائیں وادیِ ایمن میں ہم

دل میں ناصح آئے کیا اپنا خیال ― جا سکے کب یار کے مسکن میں ہم

جوشِ وحشت اُٹھا یا لاش کو ― اپنے پاؤں سے گئے مدفن میں ہم

توڑنا مومن نہ پیمانِ الست
ہیں مسلّم عاشقی کے فن میں ہم

پاتے تھے چین کب غم دوری سے گھر میں ہم ― راحتِ وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم

اِس طرح خاک چھانتے پھرتے نہ دشت دشت ― ہوتے جو پائمال کسی رہ گذر میں ہم

لکھتے ہیں اک پری کو کچھ آوارگی کا حال ― باندھیں گے نامہ طائرِ مجنوں کے پر میں ہم

تھیں دشت سے زیادہ تر اُس کو میں سختیاں ― کیا پھوڑیں سر تصورِ دیوار و در میں ہم

ہے یاد رطب و یابس تقریرِ ناصحاں ― کیا بولیں شکوۂ سفر بحر و بر میں ہم

یکساں ہے شامِ غربت و صبحِ وطن اثر ― پائیں فغاں شب میں نہ آہ سحر میں ہم

اُس گل کے غم میں پھولتے پھلتے تو رشک سے — کیوں جلتے سایۂ شجر بار در میں ہم

دلّی سے رام پور میں لایا جنوں کا جوش — ویرانہ چھوڑ آئے ہیں ویرانہ تر میں ہم

جانیں اثر جذب اے رقم جذبِ اشتیاں — دیکھیں زمام ناقہ کفِ نامہ بر میں ہم

وصل بتاں کے دن تو نہیں یہ کہ ہو وبال

مومن نماز قصر کریں کیوں سفر میں ہم

غم ابرو میں بھرتے ہیں دم شمشیر اکثر ہم — کیا کرتے ہیں اپنے قتل کی تدبیر اکثر ہم

کماں کھینچے ہی وہ اور ہم خجل ہیں سخت جانی سے — وہ دل توڑے ہی اپنا اور اس کے تیر اکثر ہم

کسی کے زلف پیچ پیچ کے کیا سودے میں بکتے ہیں — کیا کرتے ہیں کیا کیا پیچ کی تقریر اکثر ہم

چمن کو جھانکتے ہیں روزنِ دیوار سے گویا — کہ دیکھا کرتے ہیں داغوں کو سینہ چیر اکثر ہم

ہوئے تم کیوں خفا تاثیر سے آہِ رسا کی اب — کیا کرتے تھے یہ تو پہلے بھی تقصیر اکثر ہم

لگی آگ آتشِ غم کو زبانِ خامہ شعلہ سے — جلا دیتے ہیں سو سو خط در تحریر اکثر ہم

جبیں یاں تک تو سنگِ آستاں پر بستر گھستے ہیں — مٹا دیتے ہیں لفظِ دفترِ تقدیر اکثر ہم

وہاں چھوٹا گلے لگنا کہ شوقِ ہمکناری میں — لگاتے تھے گلے سے غیر کی تصویر اکثر ہم

عجب جال لڑتے سودے میں تمہاری زلف مسلسل کے — کہ سر سے باندھتے ہیں پاؤں کی زنجیر اکثر ہم

نہیں پاتے اثر اپنا یہ غیرت کا اثر دیکھا — کہا کرتے تھے بیتابی کو بے تاثیر اکثر ہم

یہ اب کیوں پڑ گئے جو لے گلو سے تا بدن درن — الٰہی رد کیے تھے نالہ شب گیر اکثر ہم

نہ تھی مسجد میں برکت ورنہ وہ بت رام ہو جاتا

گئے مومن فسوں پڑھتے پئے تسخیر اکثر ہم

کب چھوڑتے ہیں اُس ستم ایجاد کے قدم — سر ہے ہمارا در ہیں جلاد کے قدم

کیا ٹھہرے فوجِ غم کے مقابل فغان و آہ
جمتے نہیں ہیں لشکرِ برباد کے قدم

اب تک گیا نہ باغ میں تو بہرِ انتظار
سُن ہو گئے کھڑے کھڑے شمشاد کے قدم

پابوسِ یار کرتے ہوئے کھینچ دیوے تو
تصویر میری چوم لے بہزاد کے قدم

اے ہمدمانِ باغ رہا ہوں یہ کیا کروں
اُٹھتا نہیں ہے کوچہ سے صیاد کے قدم

تلوار لے کے گھر سے جو نکلا وہ جنگ جو
تاثیر نے لئے مری فریاد کے قدم

سر پر یہ کوہِ غم گر اُٹھا تو بوجھ سے
دھنس جائے بے ستون میں فرہاد کے قدم

خوابِ عدم حرام ہے یاں انتظار میں
کیا سو گئے اجل تری بیداد کے قدم

کیا ہووے دل پہ ہاتھ دھرے سے مگر رکھے
سینے پہ وہ ہی عاشقِ ناشاد کے قدم

پامال جہل حضرت مومن بغیر ہوں
دِکھلائے پھر خدا مجھے اُستاد کے قدم

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم
مُنہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بیکسی سے ہم

ہم سے نہ بولو تم اُسے کیا کہتے ہیں بھلا
انصاف کیجے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم

بیزار جاں سے جو نہ ہوتے تو مانگتے
شاہد شکایتوں پہ تری مدعی سے ہم

اُس کو میں جا مریں گے مدد اے ہجومِ شوق
آج اور زور کرتے ہیں بے طاقتی سے ہم

صاحب نے اُس غلام کو آزاد کر دیا
لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم

بے روئے مثلِ ابر نہ نکلا غبارِ دل
کہتے تھے اُن کو برقِ تبسم ہنسی سے ہم

ان ناتوانیوں پہ بھی تھے خارِ راہِ غیر
کیونکر نکالے جاتے نہ اُسکی گلی سے ہم

کیا گُل کھلے گا دیکھیے ہے فصلِ گل تو دور
اور سوئے دشت جاگتے ہیں کچھ ابھی سے ہم

منہ دیکھنے سے پہلے بھی کس دن وہ صاف تھے — بے وجہ کیوں غبار رکھیں آرسی سے ہم

ہے چھیڑ اختلاط بھی غیروں کے سامنے — ہنسنے کے بدلے روئیں نہ کیوں گدگدی سے ہم

وحشت ہے عشقِ پردہ نشیں میں دمِ بکا — منہ ڈھانکتے ہیں پردۂ چشمِ پری سے ہم

کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا — کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

جو پہلے دن ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم — تو اب یہ لوگوں کی باتیں سنا نہ کرتے ہم

اگر نہ ہاتھ میں اس دلربا کے دل دیتے — تو دل پہ ہاتھ سدا دھر لیا کرتے ہم

اگر نہ دام میں زلفِ سیہ کے آجاتے — تو یوں خراب پریشاں رہا نہ کرتے ہم

اگر نہ لگتی چپ اس بدگماں کی شوخی سے — تو بات بات میں مضطر ہوا نہ کرتے ہم

اگر جلاتے نہ اس شعلہ رو کے عشق میں جی — تو سوزِ آتشِ غم سے جلا نہ کرتے ہم

نہ جاتے اس بتِ ہرجائی کی گلی میں اگر — تو دوڑے دوڑے قلق سے پھرا نہ کرتے ہم

اس آفتِ دل و جاں پر اگر نہ مرجاتے — تو اپنے مرنے کی ہر دم دعا نہ کرتے ہم

نہ بھرے دم جو کسی شعلہ رو کی خواہش کا — تو ٹھنڈی سانس ہمیشہ بھرا نہ کرتے ہم

اگر نہ آنکھ تغافل شعار سے لگتی — تو بیٹھے بیٹھے یہ یوں چونک اٹھا نہ کرتے ہم

نہ ہوش کھوئے اگر اس پری کی باتوں پر — تو آپ ہی آپ یہ باتیں کیا نہ کرتے ہم

نہ کرتے اس کی برنگِ حنا جو پابوسی — تو شکلِ برگِ حنا یوں پسا نہ کرتے ہم

اگر نہ ہنسنا ہنسانا کسی بھا جاتا — تو بات بات پہ یوں رو دیا نہ کرتے ہم

نہ لگتی آنکھ تو دن رات سوتے ہی رہتے — کسی کی چاہ کرتے تو کیا نہ کرتے ہم

اگر نہ دیکھتے وہ پیاری پیاری صورت آہ — تو ایک ایک کے منھ کو تکا نہ کرتے ہم

جو غم بتوں کا نہ ہوتا تری طرح مومن
تو دیکھ چرخ کو ہے ہے خدا نہ کرتے ہم

الجھے نہ زلف سے جو پریشانیوں میں ہم — کرتے ہیں اس پہ ناز ادا دانیوں میں ہم
سرگرم رقص تازہ ہیں قربانیوں میں ہم — سرخی سے کس کی آئے ہیں جولانیوں میں ہم
ثابت ہے جرم شکوہ نہ ظاہر گناہ رشک — حیراں ہیں آپ اپنی پشیمانیوں میں ہم
مارے خوشی کے مر گئے صبح شب فراق — کتنے سبک ہوئے ہیں گرانجانیوں میں ہم
آتا ہے خواب میں بھی تری زلف کا خیال — بے طور گھر گئے ہیں پریشانیوں میں ہم
دیکھا ادھر کو تو نے کہ بس دم نکل گیا — اترے نظر سے اپنی نگہبانیوں میں ہم
اب قید سے امید رہائی نہیں رہی — ہمدرد پاسباں ہیں زندانیوں میں ہم
درد زباں ہیں اس نگہ سحر گیں کے وصف — تلوار کر رہے ہیں صفاہانیوں میں ہم
آہوں نے اپنی بوالہوسوں کو رلا دیا — ہیں اشک چشم یار فسوں خوانیوں میں ہم
وہ صید ناتواں ہیں کہ اس اضطراب پر — اچھلے نہ آب تیغ کی طغیانیوں میں ہم
معمور اس قدر ہیں ترے وحشیوں سے دشت — گنتے ہیں شہریوں کو بیابانیوں میں ہم
پیش نظر ہے کس کا رخ آتش گداز — روتے ہیں اپنے حال پہ حیرانیوں میں ہم
کھا کھا کے زخم سوئے نمک زار پر دریغ — کھو بیٹھے اپنی جان تن آسانیوں میں ہم

مومن حسد سے کرتے ہیں ساماں جہاد کا
ترسا صنم کو دیکھ کے نصرانیوں میں ہم

دل آگ ہے اور لگائیں گے ہم — کیا جانے کسے جلائیں گے ہم

وادی میں جو اپنی آئیں گے ہم
کیا قیس کی خاک اُڑائیں گے ہم

اب گریہ میں ڈوب جائیں گے ہم
یوں آتشِ دل بجھائیں گے ہم

خنجر تو نہ توڑ سخت جانی
پھر کس کو گلے لگائیں گے ہم

گر غیر سے ہے یہ رنگ صحبت
تو اور ہی رنگ لائیں گے ہم

تو بخت عدو اجل فلک دل
کس کس کے ستم اُٹھائیں گے ہم

اے پردہ نشیں نہ چھپ کہ تجھ سے
پھر دل بھی یوں ہی چھپائیں گے ہم

بھیجیں گے عدو کے ہاتھ پیغام
حالِ دل اُسے جتائیں گے ہم

مت لال کر آنکھ رشک خوں پر
دیکھ اپنا لہو بہائیں گے ہم

دشمن کے کہے سے روٹھتا ہے
وہ ہی کہے تو منائیں گے ہم

کرتا ہے جو گوشۂ سپہر خط
مطلب ہے کہ سر اڑائیں گے ہم

ٹھہرو کوئی دم کہ جان ٹھہرے
مت جاؤ کہ جی سے جائیں گے ہم

دم دیتے تو ہو پہ یہ سمجھ لو
دشمن کی قسم دلائیں گے ہم

کیوں غش ہوئے دیکھ آئینہ کو
کہتے تھے کہ تاب لائیں گے ہم

دزدیدہ نظر ہے کیوں دمِ قتل
کیا مر کے سے جی چرائیں گے ہم

گر ہے دلِ غیر نقش تسخیر
تو تیرے لئے جلائیں گے ہم

آئینہ رنگ غم نے توڑا
کیونکر اُسے منہ دکھائیں گے ہم

کیا پوچھے ہے رکھ تو دیکھ دشنہ
اپنی گردن جھکائیں گے ہم

کہہ اور غزل بطرزِ واسوخت
مومن یہ اُسے سنائیں گے ہم

اب اور سے لو لگائیں گے ہم — جوں شمع تجھے جلائیں گے ہم

برباد نہ جائے گی کدورت — کیا کیا تہ ہی خاک اڑائیں گے ہم

سر دوشِ عدو پہ رکھ کے بیٹھے — جانا نہ کہ سر اُٹھائیں گے ہم

بگڑے تو کریں گے اور سے صلح — تجھ پر بھی بُری بنائیں گے ہم

دل دے کے اک اور لالہ خد کو — ہر داغ پہ داغ کھائیں گے ہم

لب کا ترے دعوئے مسیحی — مرادر پہ آزمائیں گے ہم

گر خواب میں بھی اُدھر کو دیکھا — آنکھیں مژہ کو دکھائیں گے ہم

گر تیری طرف کو بے قراری — کھینچے گی تو لوٹ جائیں گے ہم

گر دیکھ کے ہنس دیا ہمیں تو — مُنہ پھیر کے مسکرائیں گے ہم

کیا ذکر ہے ہونٹ چاٹنے کا — کچھ اور مزہ چکھائیں گے ہم

پھر تیری ہوا کا دم بھرا تو — جی ہی کو ہوا بتائیں گے ہم

گر خواب میں آن کر جگایا — سوتے مُردے جگائیں گے ہم

آتا ہے گلے سے دھیان تیری — خاطر میں ستم نہ لائیں گے ہم

بت خانۂ چیں ہو گر ترا گھر
مومن ہیں تو پھر نہ آئیں گے ہم

ردیف نون

صفحۂ جیحوں جو کبھی ہم سوزشِ دل لکھواتے ہیں — سارے حباب لبِ دریا تبخالے سے بنجاتے ہیں

آجکل تم جھوٹے ہے ایسی باتوں میں کب آتے ہیں ہم — اُس سے کہو جو تم کو نہ جانے آپ کسے فرماتے ہیں

پھرتے ہیں سو سو سے جی میں دل میں سودے آتے ہیں | کوٹھے پرہ دھوپ میں اپنے بال کھڑے سکھلاتے ہیں

سوزشِ دل جب کہتے ہیں تب آنسو وہ بھر لاتے ہیں | موم کے مانند آتشِ غم سے پتھر کو پگھلاتے ہیں

آب ہوائے اک محبت اس نہیں ہے ہم کو تو | ہوتے ہیں لاغر اور زیادہ جتنا ہم غم کھاتے ہیں

کس کی خبر آنے کی ہے کس لئے ہے یہ بیتابی | کس لئے ہم ہیں یاں ہر دم پھرتے آتے ہیں او جاتے ہیں

شکوہ کیا بیداد کرے گا کیجئے اُس سے دیکھو تو | دیکھے ہی ظالم خنجر جب ہم زخمِ جگر دکھلاتے ہیں

اُف ری کثرتِ اشک و تبسم لب پہ ہجوم یاس و اُمید | جی ہے دھڑکتا لینے کی اُسکے فال تو ہم کھلواتے ہیں

خط غلامی لکھ دے غیرت تھی بھی گلہ کیا لکھئے اب | چھیڑ تو دیکھو میرا خط وہ غیروں سے پڑھواتے ہیں

ہوش گئے یاں دل سے پہلے ہووے سمجھ تو سمجھیں بات | یہ تو سمجھے حضرت ناصح آپ کسے سمجھاتے ہیں

کیا کہیں تم سے اے ہمدردو پوچھو مت مرغانِ چمن | کیونکر یاں ایامِ خزاں اور ہجر کے دن کٹ جاتے ہیں

کُنجِ قفس میں بیٹھ کے گاہے رو دیتے ہیں تنہائی پر | یادِ سیرِ موسمِ گل سے گاہے جی بہلاتے ہیں

شام سے اپنے سو رہنے سے تو وادہم اُن کے کوچے میں | ولولہ ہائے شوق سے کیا کیا پھرتے ہیں گھبراتے ہیں

کرتے ہیں آواز فقیری دیتے ہیں سنگ سو سو بار | گھر میں پتھر پھینکتے ہیں زنجیرِ در کھٹکاتے ہیں

کیا کسی بُت کے دل میں جگہ کی کوئی ٹھکانا اور ملا
حضرت مومن اب انھیں کچھ ہم مسجد میں کم پاتے ہیں

عشق نے یہ کیا خراب ہمیں | کہ ہے اپنے سے اجتناب ہمیں

بسکہ پردہ نشیں پہ مرتے ہیں | موت سے آئے ہے حجاب ہمیں

کیسی حیرت سے اے رشکِ روحی | دیکھے ہے دیدۂ حباب ہمیں

شبِ فرقت میں خاک جھپکے آنکھ | یاد ہے چشمِ نیم خواب ہمیں

وہ جفا کش ہیں اے فلک کہ کیا | اُس ستمگر نے انتخاب ہمیں

دم رکے ہے بہشت میں تو کوئی
اس کے گھر لے چلو شتاب ہمیں

غیر سے ہے وہ گرم صحبت مے
کیوں نہ غیرت کرے کباب ہمیں

کس کی زلفوں کی بو نسیم میں تھی
ہے بلا آج پیچ و تاب ہمیں

غیر کے واسطے نہ ہو بیتاب
طعنہ دیتا ہے اضطراب ہمیں

اب کوئی کیا کرے علاج افسوس
موت نے بھی دیا جواب ہمیں

اے تپ ہجر دیکھ مومن ہیں
ہے حرام آگ کا عذاب ہمیں

لاش پر آنے کی شہرت شبِ غم دیتے ہیں
اے پری ہم ملک الموت کو دم دیتے ہیں

دھیان آتا ہے ترے منہ میں زبان لینے کا
جی ہم اے شوخ پئے سیرِ عدم دیتے ہیں

کر دیا خانۂ اغیار ہوسناک خراب
داد رونے کی مرے دیدۂ نم دیتے ہیں

مر گئے رشک سے ہم تو کہ وہ دشمن کو خطاب
خطِ ترسائی پر اعجاز رقم دیتے ہیں

سبزۂ پشتِ لب یاد دلاتے ہیں یاد
گھول کر شہد میں دشمن مجھے سم دیتے ہیں

دم نہ لے اے اثرِ آہ کہ معلوم ہوا
جن پہ دم دیتے ہیں ہم وہ ہمیں دم دیتے ہیں

کیا دوا سے ہو تری رنجشِ ہر دم کا علاج
چارہ گر لیں مجھے رنج لپے ہم دینے ہیں

کیا پڑی رہتی ہے اے پردہ نشیں جوں بیمار
بد دعائیں تری چلون کو جو ہم دیتے ہیں

لذتِ جور کشی نے مجھے شرمندہ کیا
طعنے کیا کیا اسے اربابِ ستم دیتے ہیں

مدعا یہ ہے کہ غیرت سے میں سم کھا جاؤں
اس لئے غیر کو وہ اپنی قسم دیتے ہیں

اہلِ بازارِ محبت کا کبھی کیا سودا ہے
عشرتِ عمرِ ابد قیمتِ غم دیتے ہیں

خوں بہا قاتلِ بے در سے مانگا کس نے
کہ فرشتے مجھے یاں داغ دام دیتے ہیں

کعبہ کا دھیان نہ ہو حضرت مومن کو کہ جان
حسرتوں سے پس دیوار صنم دیتے ہیں

ناصح ناداں یہ دانائی نہیں
دل کو سمجھاؤں میں سودائی نہیں

کس توقع پر امید وصل اب
طاقت صبر و شکیبائی نہیں

دعوئے حسن جہاں سوز اسقدر
پھر کہو گے تم میں ہرجائی نہیں

دیکھ مضطر کیوں نہ پھیرے دشنہ پھر
یار ہے وہ کچھ تماشائی نہیں

گر نہیں ملتے ملو نگا اور سے
کیوں مجھے کیا پاس رسوائی نہیں

ہے دعا بھی بے اثر گویا کہیں
عرض عاشق کی پذیرائی نہیں

درد دل تو سن لے ظالم ایک بار
گو دماغ چارہ فرمائی نہیں

چاہتا قاتل کو ہوں روز جزا
جا کی ابتک سزا پائی نہیں

ترک مذہب کیوں کروں مومن میں کیا
اس صنم کو لاف یکتائی نہیں

کہے ہی چھیڑنے کو مر گر سب ہے اس کے بس میں
نہ دل ملنے کسی معشوق کو عاشق کو آپس میں

اگر مشہور ہوا افسانہ اپنی بت پرستی کا
برہمن کیا عجب ایمان لے آئے بنارس میں

نہیں دم لینے کی طاقت فلک کو رنہ بتا دیتے
کہ یہ تاثیر ہوتی ہی فغاں آسماں رس میں

تن کا امید سے اپنے میں خوش ہوں اس توقع پر
کہ ایک دن آئے ترے حسرت عشق خانہ جس میں

رقیب بوالہوس نے رونمائیں تیرے کب جاں دی
وہ نو دارد ہی کیا جانے دیار عشق کی رسمیں

نہ میرا پنا نہ دل اپنا نہ تم میرے نہ جاں میری
الٰہی کس کس کو ہو ہے بھی گر فریاد بیکس میں

کہوں گر غیر سے مت مل تو کہوے طعن سے رک کر
یہ کیوں کس واسطے ہم ایسے تیرے ہو گئے بس میں

ذرا سمجھو تو جانِ من وصالِ غیر پر ہر دم | مری جاں کو نہ تم یہ کس کی جھوٹی کھاتے ہو قسمیں

درِ بتخانۂ عشقِ بتاں اور آپ اے مومن
یہ حضرت آ گئی اک بار کیا طبعِ مقدس میں

چین آتا ہی نہیں سوتے ہیں جس پہلو ہمیں | اضطرابِ دل غرض جینے نہ دے گا تو ہمیں
لطف سے ہوتی ہے کیا کیا بے قراری بن جھنا | تیری بد خوئی نے ظالم کر دیا بد خو ہمیں
دیکھتے ہی گل نظر میں تیرا ہنسنا پھر گیا | آتشِ گل نے لگائی آگ اے گلرو ہمیں
کیا اثر تھا اشک دشمن میں جو کوئے یار سے | مارے غیرت کے بہا کر لے چلے آنسو ہمیں
دردِ شمعِ بزم نے دل پھونک کر اُف کر دیا | کیا دلائے یاد وہ زلفِ خمیدہ مو ہمیں
گیسو و خال و خط اپنا دین و ایماں لے گئے | مل کے اک دو کافروں نے کر دیا ہندو ہمیں
ہوش کیوں جاتے ہیں اور دم ہوا کیوں ہو چلا | تجھ سے اے بادِ صبا آئی کس کی بو ہمیں
کیا بلا اُس زلفِ خوش خم کا تصور بندھ گیا | سانپ سے دل میں آتے ہیں نظر ہر سو ہمیں
وہم آتا ہے فغانِ ہجر کوئے یار کا | صورِ اسرافیل ہے قمری تری کو کو ہمیں
باعثِ بیتابیِ عالم نگاہِ یاس ہے | چشمِ جادوگر نے یہ سکھلا دیا جادو ہمیں

گر یہی شوقِ شہادت ہے تو مومن جی چکے
مار ڈالے کاش کوئی کافرِ دلجو ہمیں

ہو گئی گھر میں خبر ہے منع واں جانا ہمیں | وہ بھی رسوا ہو خدا جس نے کیا رسوا ہمیں
دم بدم رو دینا ہمیں چاروں طرف تکنا ہمیں | یا کہیں عاشق ہوئے یا ہو گیا سودا ہمیں
ہر ستم صیاد کا کیا التفات آمیز تھا | بند کرنے کو قفس میں دام سے چھوڑا ہمیں
یار تھے یا دشمنِ جاں تھے یا الٰہی چارہ گر | لے چلے مرتے ہی زنداں سے سوئے صحرا ہمیں

طالعِ برگشتہ بختِ خفتہ مت پوچھو کہ ہم
غش پڑے تھے پھر گیا وہ جان کر سوتا ہمیں

تو نہ جانے عشق بازی اور ہم ناداں ہوں
بے سمجھ کہتا ہی ناصح تو نے کیا سمجھا ہمیں

یہ ستم کیا غیر پر کرتا وہ سچ پوچھو تو ہے
یار کے نازِ بجا سے شکوہ بے جا ہمیں

کیا کہیں کیوں رہ گئے حیران تجھ کو دیکھ کر
آ گیا دل یاد اے آئینہ رو اپنا ہمیں

دست بوسی پر کر دہاں قتل اپنے ہاتھ سے
سچ تو کہتے ہیں قبول انصاف غیروں کا ہمیں

اہلِ ماتم اپنے روئیں کس طرح منہ ڈھانک کر
مرتے مرتے پاس اُس پردہ نشیں کا تھا ہمیں

ہم سے نازک طبع سے کب اُٹھ سکے بیدادِ چرخ
مر گئے مضمونِ جورِ یار جوں سمجھا ہمیں

مومن ان کا تو نہ تھا ملنے میں آخر اختیار
یہ شکایت بھی خدا سے ہے بتوں سے کیا ہمیں

غیر بے مروت ہے آنکھ وہ دکھا دیکھیں
زہر چشم دکھلائیں پھر ذرا مزا دیکھیں

کب تلک جئیں یارب ہجرِ غیرتِ مہ میں
صبح اُٹھ کے منہ کب تک آفتاب کا دیکھیں

ناصح اُن کو گر میری شکل سے تنفر ہے
تو بھی کم نگاہی کیوں جانبِ وفا دیکھیں

کچھ نہیں نظر آتا آنکھ لگتے ہی ناصح
گر نہیں یقیں حضرت آپ بھی لگا دیکھیں

غیر کو دکھاتا ہوں جا کے دل تماشا ہو
گر وہ روزنِ در سے آن کر ذرا دیکھیں

چشمِ دا نے نابینا کر دیا جدائی میں
کوئی آنکھ لگتی ہے خوابِ وصل کیا دیکھیں

دیکھئے خدا کب تک پھر وہ دن دکھائے گا
یار کو ان آنکھوں سے غیر پر خفا دیکھیں

ٹکٹکی لگائی ہے اب تو گو ہو رسوائی
تا وہ گر ادھر دیکھیں مجھ کو دیکھتا دیکھیں

کس نے در کو دیکھا کس کی آنکھ جھپکی ہے
دیکھنا ادھر آؤ پھر نظر ملا دیکھیں

وہم عاشقی سے تو یہ ستم نہ کرتا ہو
کیوں نگاہِ حسرت سے چرخ کو سدا دیکھیں

نکلے آرزو اپنی مومن آہ جب تجھ کو
صحنِ بتکدہ میں ہم خاک پہ پڑا دیکھیں

بزم میں اُس کی بیانِ دردِ غم کیونکر کریں
وہ خفا جس بات سے ہوں وہ ہم کیونکر کریں

مجھ پہ بعد امتحاں بھی جور کم کیونکر کریں
وہ ستائیں غیر کو ایسا ستم کیونکر کریں

لکھتے لکھتے ہی سیاہی حرف سے اُڑ جائے ہے
ہائے احوالِ دلِ مضطر رقم کیونکر کریں

گر نگاہِ ناز کو مشقِ ستم منظور ہے
دشمن اپنی نرگسِ تربیت قلم کیونکر کریں

دیکھ لیوے عکس رُخ تو کیا بنے پھر دیکھ تو
گریہ اُسکے سامنے اے چشم نم کیونکر کریں

جب دلِ اغیار خوں ہو کر مژہ تک آ گیا
پھر لحاظِ غمزۂ شمشیر دم کیونکر کریں

اضطرابِ شوق شاید غیر اُس کے پاس ہو
جانبِ چلمن نظارہ دمبدم کیونکر کریں

ہے فریبِ فرقت میں مرگ افسانہ خواں ہے
نام آرام آ گیا خوابِ عدم کیونکر کریں

دیکھ پیچ و تابِ سنبل ہو گیا دل بے قرار
اب نہاں سودائے زلفِ خم بہ خم کیونکر کریں

سب کو ہوتا ہے جہاں میں پاس اپنے نام کا
ہم بھی تو مومن ہیں دل نذرِ صنم کیونکر کریں

نہ تن ہی کے ترے بسمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
ہے پاش پاش جگر دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

جنونِ عشق پری زادے دلشکن ہے بلا
کہ روز طوق و سلاسل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

اُٹھا کے سوتے میں دے پٹکا رات بھر شاید
کہ زیرِ سر کے مرے سل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

یہاں ہے چاکِ گریباں تو واں یہ حالت ہے
قبائے شوخ شمائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

دراز دستی کس بے ادب نے کی دمِ قتل
تمام دامنِ قاتل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

یہ کس کی چشمِ فسونگر نے کی فسوں سازی
طلسمِ جادوئے بابل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

یہ بے حجابی بُری گو مجھی کو جھانکو تم
کہ روزنِ پردۂ حائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

کہے نہ ملنے کی اُس سنگ دل کی گر قاصد
تو سنگ وہ ابھی یاں دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

نہ کیونکر رشک سے ہو خوں کسی کا اُس در پہ
ہمیشہ ایک نئے بسمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

غزل سرائی کی مومن نے کیا کہ رشک سے آج
چمن میں سینے عنادل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

ہے جلوہ ریز نور نظر گرد راہ میں
آنکھیں ہیں کس کی فرش تری جلوہ گاہ میں

کیا رحم کھا کے غیر نے دی تھی دعائے وصل
ظالم کہاں وگرنہ اثر میری آہ میں

مت کیجو دیر آنے میں کیا جانے کیا بنے
کھینچا ہے جذبِ شوق نے یوسف کو چاہ میں

اتنی بھی تابِ جلوۂ خورشید طلعتاں
نقصاں کیا کمال سے آیا ہے ماہ میں

جانے دے چارہ گر شبِ ہجراں میں مت مُبتلا
وہ کیوں شریک ہو مرے حالِ تباہ میں

ظالم وہ بے وفا ہے عدو جس کے رشک سے
اتنا کچھ آ گیا خلل اپنے نباہ میں

اس مُنھ پہ اُس سے دعوئے حُسن ایک ذرا نہیں
اے مہر روشنی مرے روزِ سیاہ میں

شیریں پہ طعن تلخیِ فرہاد کس لئے
مجھ کو بھی کچھ مزا نہ ملا تری چاہ میں

ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

ظالم کہیں نہیں عاشق سے احتراز
کہہ دے اگر ہو شک سخن دادخواہ میں

اب تک نہیں گواہیِ اطفال معتبر
محو ہے جو عصمتِ یوسف نگاہ میں

مومن کو سچ ہے دولتِ دنیا و دیں نصیب
شب بتکدہ میں گذری ہو دن خانقاہ میں

تاب پڑے خلل کہیں آپ کے خوابِ ناز میں
ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شبِ دراز میں

اور ہی رنگ آج ہے عارضِ گلعذار میں
خونِ دل اپنا تھا مگر گونہ سرخ طراز میں

کیونکر نہ آدھی رات تک جاگے وہ جس کا دھیان ہو
آہوئے نیم خواب میں نرگسِ نیم باز میں

خسرو عیش میں یار جان کنی اور کوہکن
اپنا جگر تو خوں ہوا عشق کے امتیاز میں

بن ترے بزمِ سور میں ہیں یہ قیامتیں کہ ہے
نفخۂ صور کا اثر نغمۂ گلہ نواز میں

اُن سے اب التفات کی غیر کو ہیں شکایتیں
سُن کے مرا مبالغہ منتِ احتراز میں

کیا ابھی سینے جل چکے کیا ابھی دل پگھل چکے
بوئے کباب اب نہیں آہ جگر گداز میں

پردہ نشیں کے عشق میں پردہ دری نہ ہو کہیں
ہوتی ہیں بے حجابیاں جانِ نہفتہ راز میں

رخنۂ در سے غیر پاس دیکھا کسے کہ آج ہے
رخنہ گری کچھ اور ہی نالۂ رخنہ ساز میں

یادِ بتاں میں لاکھ بار فرطِ قلق سے ہم بھی تو
بیٹھے اُٹھے ہیں مومن اب گرچہ ہے شب نماز میں

جیبِ درست لائقِ لطف و کرم نہیں
ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں

منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

سیدھا نہ کر دیا ہو مرے ذوقِ قتل نے
قاتل کے آگے گردنِ اغیار خم نہیں

غیرت کی جا ہے رام نزاکت ہوا وہ شوخ
وحشت کا جوش کیونکہ نہ ہو مجھ سے رم نہیں

کیا خوش ہوں کوئے غیر میں گر نقشِ پا نہ ہو
وہ شوخ جانتا ہوں کہ ثابت قدم نہیں

فریادِ نالہ ہائے حزیں بار بار انہیں
آیا ہے رحم کب کہ ذرا مجھ میں دم نہیں

کس بوالہوس کے حال پہ رویا وہ گلعذار
خارِ مژہ میں اب خلشِ دم بدم نہیں

جانا حرام ہجرِ بتاں میں تو کیا گناہ
پیرِ مغاں شراب ہے شیشے میں سم نہیں

بے التفاتیاں جو عدو سے سُنی نہ تھیں
ہم جانتے تھے وصل میں رنج و الم نہیں

معلوم ہو تو تیرے ہی عالم کا حال ہو
میرا دلِ دو نیم ہے یہ جامِ جم نہیں

بے جرم پائمال عدو کو کیا گیا
مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

ہوں آب آب ڈری نگہ ہائے گرم گرم
اُس مہر وش کے سامنے آنکھوں میں نم نہیں

نامِ وصال لینے سے ہوتا ہے مضطرب
کیونکر کہوں اُسے مرے مرنے کا غم نہیں

ناصح کہاں تلک تری باتیں اُٹھا سکوں
سچ ہے کہ مجھ میں طاقتِ جور و ستم نہیں

عاشق کشی ہی شیوہ اگر بوالہوس نہیں
آخر کچھ اپنی جان کے دشمن تو ہم نہیں

مومن سوئے حرم ہے تکاپوئے فکر کیوں
کیا اس زمیں میں قافیہ بیت الصنم نہیں

غنچہ ساں خاموش بیٹھے ہیں سخن کی فکر میں
قافیہ کیا تنگ ہے وصفِ دہن کی فکر میں

دامنِ قاتل کو وقتِ قتل کیونکر چھوڑتے
بیکسی سے جان تھی اپنی کفن کی فکر میں

شوقِ مردن کو بھی سامانِ سفر درکار تھا
سو ہے از خود رفتگی ترکِ وطن کی فکر میں

طعنِ خسرو ہو شیریں کام شادی مرگ کیا
جانکنی ہے انتقامِ کوہکن کی فکر میں

وہمِ عشقِ لالہ رو سے داغِ دل کیا کیا کھلے
جان کر گلچیں کو تاراجِ چمن کی فکر میں

سر سے شعلے اٹھتے ہیں کس طرح وکوں کیا کروں
جل گیا جی ضبطِ آہِ شعلہ زن کی فکر میں

ہے گریباں گیر واں نازِ تغافل اب تلک
جی جلایا باعثِ دیر آمدن کی فکر میں

گر یقینی دادِ عا ہوتی ہے اے مومن قبول
جائیں گے کعبہ بھی طفلِ برہمن کی فکر میں

دن بھی دو از رات بھی کیوں ہی فراقِ یار میں
کاہے سے فرق آ گیا گردشِ روزگار میں

بسکہ بن آئے مر گئے ہم شبِ انتظار میں
دن جو رہے تھے عمر کے جیتے رہے مزار میں

خاک میں وہ تپش نہیں خار میں وہ خلش نہیں
کیوں نہ ہمیں زیادہ ہو جوشِ جنوں بہار میں

ہو گئی کیا بلا رے جاں بوسۂ زلف کی ہوس
پھیرتے ہیں زباں کو ہم کامِ دہانِ یار میں

مرگ ہے انتہائے عشق یاں ہے ابتدائے شوق
زندگی اپنی ہو گئی رنجشِ بار بار میں

پوچھا جو اس نے کیا مری بیخودیِ قلق کا حال
ہوش نہیں حواس میں تاب نہیں قرار میں

کیوں نہ گلے کا ہار ہو شوقِ اجل پرو دیے ہیں
پھول عدو کی خاک کے اس نے گلے کے ہار میں

خاک اڑائی گُل نے کیس کے جنونِ عشق میں
آئے ہو کچھ اٹی ہوئی بادِ صبا غبار میں

لاکھ شکستگی سے بھی دل کی گرہ نہ کھل سکی
عقدۂ مو ہے ہر شکن طرۂ آبدار میں

تھا قلق بر تہی دشمنِ جاں شبِ فراق
کاٹ کے اپنے سر کو ہم بھیجتے ہیں کنار میں

دھیان میں مومن آ گئی بحثِ جبر و اختیار
قالبِ یار میں ہیں ہم وہ نہیں اختیار میں

کون کہتا ہے دمِ عشق عدو بھرتے ہیں
کہ ہوا باندھنے کو آہ کبھو بھرتے ہیں

شمع پر کچھ نہیں موقوف کہ سالے ظالم
پانی آگے ترے اے عربدہ جو بھرتے ہیں

حوضِ میخانہ پیے سے بھی مرا جی نہ بھرا
کیا تنک ظرف ہیں جو غم سے سبو بھرتے ہیں

حسرتِ بوسہ کا کل کا کیا ہم نے علاج
زخمِ دل مشک سے اے غالیہ مو بھرتے ہیں

کر چکے سلکِ دُرِ اشک کا مذکور کہ ہم
آج غمازوں کے منہ دیکھیے تو بھرتے ہیں

اس ستمگر سے مگر آنکھ لڑی کہ حباب
کیسے کچے گھڑے پانی لبِ جو بھرتے ہیں

کس کے ہاتھوں سے ہی دم نَے کی طرح ناک میں جو
نالے کرتے ہیں کبھو آہ کبھو بھرتے ہیں

حالتِ نزع میں جیتے ہیں ترے ہجر میں خاک
دن جو کچھ عمر کے ہیں آئینہ رو بھرتے ہیں

اشک دیتے ہیں مرے نالۂ موزوں کا صلہ
موتیوں سے دہنِ زخمِ گلو بھرتے ہیں

غیر کرتے ہیں سبوئے مے گلگوں خالی — ساغر چشم میں ہم دل کا لہو بھرتے ہیں

پی ہے مے حضرتِ مومن نے کبھی مفسدہ کو
آفتابے کئی ہنگامِ وضو بھرتے ہیں

مانے نہ مانے منع تپشہائے دل کروں — میں غیر تو نہیں کہ تماشائے دل کروں

ہو جان بھی جدا کہ تو مداوائے دل کروں — کب تک میں دل پہ ہاتھ دھرے ہائے دل کروں

سو طرح کے زیان ہیں بیعنے میں اس کے گر — دشمن بھی مفت لے تو میں سودائے دل کروں

مرتا ہوں کس عذاب سے ہے وقت جی میں ہے — اس دم دعا برائے تمنائے دل کروں

جان دیدوں ہو اُس آفتِ جاں سے معاملہ — بس کب تک انتظار تقاضائے دل کروں

میں اور وہ کوچے گیا کس جائے ظلم ہے — اس پر بھی گر شکایتِ بیجائے دل کروں

چھٹتا ہے جیسے جی کوئی زنجیر زلف سے — دیوانہ ہوں کہ چارۂ سودائے دل کروں

بے رحم ہرزہ گردیوں سے پاؤں گھس گئے — کیا ذکر جوشِ حوصلہ فرسائے دل کروں

دھبّا لگا ہے شوق سیہ کارِ زلف کو — اللہ کیا علاج سویدائے دل کروں

کہتے ہو درد دل تو وہ کہتا ہے مجھ کو کیا — میں کیا طبیب ہوں کہ مداوائے دل کروں

اس بت کو ترکِ دیں سے نہیں مومن اعتماد
کیونکر نہ میں شکایتِ اغوائے دل کروں

بے مزہ ہو کر نمک کو بے وفا کہنے کو ہیں — کھل گئے زخموں کے منہ کس کو برا کہنے کو ہیں

سب جفا جو اس ستمگر کے سوا کہنے کو ہیں — جن کو چرخ مرگ کہتے ہیں سزا کہنے کو ہیں

نالہ ہی نکلے ہے گو ہم مدعا کہنے کو ہیں — لب نہیں کھلنے میں اب کیا جانے کیا کہنے کو ہیں

تیری تیغ دوشنہ کے کیوں لب چھالے ہو گئے — گرم خونی کا مری کیا ناسزا کہنے کو ہیں

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ — کیا قیامت ہے مجھی کو سب بُرا کہنے کو ہیں

ترجمانِ التماسِ شوق ہے تغییرِ رنگ — جوں زبانِ شمع عاشق بے صدا کہنے کو ہیں

جل گیا دل تو بھی اُٹھتا ہے دھواں سر سے کہ اب — مرثیہ ہم اس چراغِ کشتہ کا کہنے کو ہیں

دیکھنا کس حال سے کس حال کو پہنچا دیا — بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں

ایک دن کو تو زبانِ شعلۂ دوزخ قرض دے — قصۂ شبہائے غم روزِ جزا کہنے کو ہیں

شکوہ حرفِ تلخ کا یا شورِ بختی کا گلہ — ہم جو کچھ کہنے کو ہیں سو بے مزا کہنے کو ہیں

میں گلہ کرتا ہوا اپنا تو نہ سن غیروں کی بات — ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

وہ نہیں آتے نہ آویں مرگ ظالم تو تو آ — یاں لبِ شوقِ تمنا مرحبا کہنے کو ہیں

غیر سے سرگوشیاں کر لیجیے پھر ہم بھی کچھ — آرزو ہائے دلِ شکوہ آشنا کہنے کو ہیں

تیغِ غمزہ کو لگا لے جلا سنگِ سرمہ پر — حرفِ مطلب آرزومندِ جفا کہنے کو ہیں

ہو گئے نامِ بُتاں سُنتے ہی مومن بیقرار
ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارسا کہنے کو ہیں

وہ علی الرغمِ عدو مجھ پہ کرم کرتے ہیں — ہے ستم لطف کے پردے میں ستم کرتے ہیں

طلبِ وصل کس انداز سے ہم کرتے ہیں — شوقِ نامہ اسے وصلی پہ رقم کرتے ہیں

جب ترے کوچہ کا بیتابیِ دل سے پھرنا — یاد آتا ہے زمیں بوسِ قدم کرتے ہیں

نیم بسمل ہیں نہ چھیڑ اے تپشِ دل کہ ابھی — روئے قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں

اے اجل کاش الٹ جائیں شبِ ہجراں میں — وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں

دم میں مت آ گیو اے غیر کہ مانندِ صبا — جس سے لگ چلتے ہیں وہ اُس سے بھی سم کرتے ہیں

محضرِ قتل ہے مکتوب گنہگاروں کا — سرِ قاتل کو وہ فتوے سے قلم کرتے ہیں

دیکھنا اُس دہن تنگ کے بوسہ کا مزا
کہ ہوسناک تمنائے عدم کرتے ہیں

ہائے قسمت کہ ہوئی مجھ پہ جفا اور فزوں
ان دنوں غیر پہ گر لطف وہ کم کرتے ہیں

کشتہ ہوا ہوں اس رشک سے مرتا ہے جہاں
وہ بھی کیا ہیں جو مری موت کا غم کرتے ہیں

کیا ہی بیزار ہیں اس زیست سے بھی ہائے ستم
قتل کرتے نہیں وہ اور ستم کرتے ہیں

اپنے سودے کی نہ پوچھو کہ خریدار کے ساتھ
جنس میں تو ہی دل اور بیع سلم کرتے ہیں

آبرو رہ گئی مرنے کی کہ روتے تو ہیں وہ
اشک شادی ہی سے گو چشم کو نم کرتے ہیں

جا کے کعبہ میں بھی مومن نہ گئی دیر کی یاد
جائے لبیک صدا ہائے صنم کرتے ہیں

صورت دکھائیے جو کبھو جا کے خواب میں
بے دید آنکھ کھول دے جھلا کے خواب میں

شب جو وہ سو رہے مرے پاس آ کے خواب میں
جاگے تھے بخت خفتہ تمنا کے خواب میں

آنکھوں کو بند کر کے وہیں کھول دے گر آئے
یوسف کسی کے محو تماشا کے خواب میں

کابوس ہی بتاتے مجھے واں تو رشک سے
کاش اور کوئی آ رہے اطبا کے خواب میں

وہ بے بغل ہیں تو بھی تو یاں نیند اڑ گئی
یہ سوچ ہے گیا نہ ہو اعدا کے خواب میں

سو لیتے پائے ناقہ زبانِ بے داغ گر
طالع نہ ہوتے قیس کے لیلا کے خواب میں

ان نالہ ہائے شب کا اثر صبح دیکھیو
آیا خلل گر اُس ستم آرا کے خواب میں

نیرنگِ عشق سے نہ ہو غافل ہے ایک رنگ
اس دل کے جاگتے ہیں زلیخا کے خواب میں

رہتا ہے دھیان دیکھتے ہو جب مجھے نہیں
کیوں چونک پڑتے ہو گھبرا کے خواب میں

اُس کی گلی میں نالۂ زنجیر غل نہ کر
یاں پاؤں جاگتے ہیں کوئی جا کے خواب میں

سو جاؤں لو مرے رتبے تو کیا ہنس کے طعن سے
کہتا ہے سوتے ہو مرے بن آ کے خواب میں

کیا کفر ہے کہ چھوڑ دے سونا ہے گر کبھی

مومن نظر پڑے بتِ ترسا کے خواب میں

سوزِ دل کے ہاتھ سے ڈھونڈھوں جو مامن آب میں
ہووے ہر ہر قطرہ داغ افزائے گلخن آب میں

گر وہ ہو دستِ حنائی عکس افگن آب میں
ہو کے مرجاں جوں چنار آتشِ تن آب میں

بیکسی دیکھو وفورِ اشکِ حسرت سے ہوا
بعدِ مُردن جوں غریق اپنا بھی مدفن آب میں

دی دلِ سوزاں کو تشبیہِ سمندر میں نے اب
چھوڑ کر آتشکدہ ڈھونڈے ہے مسکن آب میں

بے حجابانہ یہ دیا کون مجلس میں کہ ہے
غرق جوں آئینہ وہ شوخ حیا فن آب میں

دوستو مرتا ہوں اس لیے عرق آلودہ پر
لاش بھی میری بہانا بعدِ مُردن آب میں

یاد چشمِ یار میں دریا پہ رو یا بن گئیں
مردمِ آبی کی پلکیں شمعِ روشن آب میں

کون ڈوبا تنگ آ کر غرقِ دریائے الم
کیوں سدا شورِ تموج سے ہے شیون آب میں

تشنہ کامِ آبِ تیغِ یار ہوں گرمی تو دیکھ
پھر تسکیں تیرتا ہوں تا بہ گردن آب میں

اشکِ چشم و گریۂ زخمِ دل اب ہیں کیا کروں
ہو گئی سب آستیں تر خول ہیں دامن آب میں

کشتۂ غیرت ترے پانی چھلنے سے ہے غیر
مرتے دم پاتا ہوں ذوقِ خونِ دشمن آب میں

ڈوب مرے کیوں نہ غیرت سے جب اے مومن نہائے

غیر کے ہمراہ وہ طفلِ برہمن آب میں

دکھلاتے آئینہ ہو اور مجھ میں جان نہیں
کہو گے پھر بھی نہیں تجھ سا بدگمان نہیں

جو یار صلح پہ ہے اب تو آسمان نہیں
وہ مہربان ہوا تو یہ مہربان نہیں

ترے فراق میں آرام ایک آن نہیں
یہ ہم سمجھ چکے گر تو نہیں تو جان نہیں

نہ پوچھ کچھ مرا احوال میری جان مجھ سے
یہ دیکھ لو کہ مجھے طاقتِ بیان نہیں

یہ گل ہیں داغ جگر کے انھیں سمجھ کر چھیڑ — یہ باغ سینۂ عاشق ہے گلستاں نہیں

نہ چاہو لو تو جزا داد یہ ستم دیکھو — کہ آپ فرماتے ہیں جب وقت امتحاں نہیں

نہ پوچھے حال تو جب تک مرا بیاں نہ کرو — مری زباں نہیں گر ترے دہاں نہیں

زبسکہ دیر لگی نامہ بر کو ڈھونڈتے ہم — عدم کو جاتے ہیں گو پاؤں کا نشاں نہیں

شبِ فراق میں پہونچی دل سے جاں تلک — کہیں اجل بھی تو مجھ سی ہی ناتواں نہیں

وہ حال پوچھے ہی میں چشم سرمہ گیں کو دیکھ — یہ چپ ہوا ہوں کہ گویا مری زباں نہیں

نہ کیوں نثار ہو جاں فرط کین جاناں پر — کہ اس کو مرے سوا اور کا دھیان نہیں

نکل کے دیر سے مسجد میں جا رہ اے مومن
خدا کا گھر تو ہے تیرے اگر مکاں نہیں

ہجراں میں بھی زیست کیوں نہ چاہوں — جاں دادۂ شوخ بے وفا ہوں

ہیں غیر مرے نکلنے سے خوش — گویا کہ میں اُن کا مدّعا ہوں

اُف کر گئی یاد گرم جوشی — میں آتش مُردہ سے جلا ہوں

کیا شکوہ جفائے آسماں کا — میں آپ کو دور کھینچتا ہوں

دشمن سے ہے چشم مہربانی — محرومِ نگاہِ آشنا ہوں

ربط اُس سے ہو مثل شعلہ شمع — مر جاؤں گر ایک دم جدا ہوں

کیونکر نہ بگڑ کے وہ نکالے — میں دل کے غبار سے بنا ہوں

شکوہ نہیں غیر کے ستم کا — انصاف کرو تو میں بھی کیا ہوں

کھاتا ہوں بدن پہ عشق میں داغ — اعمال کی اپنی خود جزا ہوں

ہے طعن سے مدح شام ہجراں — میں کیسی بلا کو چھیڑتا ہوں

اُس کو میں نہ چھوڑ جائے مجھ کو ہر چند عدو کا نقش پا ہوں
خود بینی و بے خودی میں ہے فرق میں تم سے زیادہ کم نما ہوں
بیزار ہے سوزِ عشق سے جی کس شعلہ مزاج سے خفا ہوں
مجھ رمز شناس سے یہ باتیں کیا خوب میں غیر سے بُرا ہوں
اے کاش عدو کو غیرت آوے میں منتظر اپنی موت کا ہوں

اس نام کے صدقے جس کی دولت
مومن ہوں اور بتوں کو چاہوں

ہر دم رہین کشمکش دستِ یار ہیں چلون کے بند کس کے گریباں کے تار ہیں
بالیدہ دم بدم جو مرے دل کے خار ہیں ہر آن برچھیاں سی کلیجے کے پار ہیں
کیا کیجیے کہ طاقتِ نظارہ ہی نہیں جتنے وہ بے حجاب ہیں ہم شرمسار ہیں
عمر دراز کی ہے رقیبوں کو آرزو دیکھو زمانِ ہجر کے امیدوار ہیں
مضطر وہ گل جو میرے دمِ سرد سے ہوا کیا کیا شمال و بادِ صبا بے قرار ہیں
چھاتی سے میں لگائے رکھوں کیوں نہ رات دن یہ داغ زخم دل کے مرے یادگار ہیں
جز نہ سپہر ہیں مرے دشمن تو اور بھی لیکن بڑے غضب ہی دین چار ہیں
ہجو ملیح غیر سمجھ کر مزے اُٹھائیے خوش حرف بے نمک سے بھی ہم دلفگار ہیں
کیسا فلک کہ اخترِ طالع جلا دیے کیا سرد مہر میرے دمِ شعلہ بار ہیں
کیونکر نہ رحم حال پہ آئے شب وصال اندوہ و درد روز مصیبت کے یار ہیں
پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے اُٹھتے ہماری خاک سے بھی کچھ بخار ہیں
شبنم خراب مہر کتاں سینہ چاک ماہ لو اور بھی ستم زدہ روزگار ہیں

ناصح سے مجھ کو کیونکہ نہ ہوں بدگمانیاں | دشمن ہیں جو مرے وہ ترے دوستدار ہیں
کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا | تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

مردوں کو تجھ پہ دیتے ہیں ترجیح جو حسود
مومن یہ جان لے کہ سگِ جیفہ خوار ہیں

شبِ وصل اُس کے تغافل کی زبس تاب نہیں | تلخیِ مرگ سے آنکھوں میں شکر خواب نہیں
حسرتیں کیں مرے نصیبوں میں لکھی ہیں کیا کیا | اتنے دفتر میں کہیں فصل نہیں باب نہیں
دل کا کیا حال کوئی دیکھے کہ یہ گرمیِ حسن | ٹھہرتا آئینۂ یار میں سیماب نہیں
سرفروشوں کے اگر آپ خریدار ہوئے | تو گراں ہووے گی وہ جنس جو کمیاب نہیں
جب وہ بدمست ادھر آیا عدو کے گھر سے | اپنی قسمت میں بجز دُرد مے ناب نہیں
رستمی کا عوض افلاک سے لوں گا پسِ مرگ | قتلِ عاشق ہی یہ خونریزیِ سہراب نہیں
کلبۂ تار میں کیونکر ترے بن گزرے گی | دن کو یاں دھوپ نہیں رات کو مہتاب نہیں
محتسب ہم ہی تو پہلے بلا دیکھ مجھے | نہ لنڈھا پی لے مے ناب کہ زہر آب نہیں
عشق کیوں درپۓ جاں شوق ہے کیوں سینہ شگاف | دشمنی دل شکنی شیوۂ احباب نہیں
گلۂ چرخ عبث شکوۂ جاناں بے جا | یاس و حرماں کو مرے حاجتِ اسباب نہیں

کششِ ابروئے صنم کی سی کہاں اے مومن
لاکھ سجدے کرے دل مائلِ محراب نہیں

آہِ فلک فگن ترے غم سے کہاں نہیں | جو فتنہ خیز اب ہے زمیں آسماں نہیں
کہنا پڑا مجھے پئے الزام پند گو | وہ ماجرا جو لائقِ شرح و بیاں نہیں
ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے | صیاد کی نگاہ سوئے آشیاں نہیں

اظہار دوستی کی خوشی کیا شبِ وصال   دشمن سے سن چکا ہوں کہ تو مہرباں نہیں

باتیں تری وہ ہوش ربا ہیں کہ کیا کہوں   جو کوئی رازداں ہے مرا رازداں نہیں

نومیدی جواب ہے کیوں اتنے شوق پہ   پر کیا ہوا کہ میں پسِ قاصد رواں نہیں

پیشِ عدو سمجھ کے ذرا حال پوچھنا   قابو میں دل نہیں ہے مرے بس میں ہاں نہیں

بے صرفہ جانکنی کا مری کچھ تو ہو حصول   محنت کسی کی آج تلک رائگاں نہیں

کرتے وفا امیدِ وفا پر تمام عمر   پر کیا کریں کہ اس کو سرِ امتحاں نہیں

میں بھی جانتا ہوں فریبِ وصالِ غیر   تم کو عبث یقیں ہے کہ میں بدگماں نہیں

میں اپنی چشمِ شوق کو الزام خاک دوں   تیری نگاہِ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں

فطری ہے پیرِ چرخ سے اپنا مقابلہ   طفلی سے مجھ کو حسرتِ بختِ جواں نہیں

گزرے ہیں میری خاک سے غیروں کے ساتھ وہ   فتنہ اٹھا ہے گردِ پسِ کارواں نہیں

لگ جائے شاید آنکھ کوئی دم شبِ فراق   ناصح ہی کو لے آؤ گر افسانہ خواں نہیں

اتنے سبک نظر ہیں یہ اوضاعِ روزگار   دنیا کی حسرتیں مرے دل پر گراں نہیں

ہر ذرہ میری خاک کا برباد ہو چکا   بس اے خرامِ ناز کہ تابِ تواں نہیں

نالے کے ساتھ دم کے نکل جانے کا ہے خوف   پر کیا علاج طاقتِ ضبطِ فغاں نہیں

میں جانتا ہوں نعش پر آنے کا مدعا   آسودگی پسند تری شوخیاں نہیں

اس بت کی ابتدائے جوانی مراد ہے
مومن کچھ اور فتنۂ آخر زماں نہیں

تاثیر صبر میں نہ اثر اضطراب میں   بے چارگی سے جان پڑی کس عذاب میں

بے نالہ منہ سے جھڑتے ہیں بے گریہ آنکھ سے   اجزائے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں

چرخ و زمیں میں توبہ کا ملتا نہیں سراغ — ہنگامۂ بہار و ہجوم سحاب میں

اے زہرہ چہر دشمن منحوس کو نہ دیکھ — نالے بہیں گے خون کے اس نجم آب میں

اتنی کدورت اشک میں حیران ہوں کیا کہوں — دریا میں ہے سراب کہ دریا سراب میں

فکر مآل سے مے و شاہد رہے عزیز — پیری میں موت یاد تھی پیری شباب میں

تم نکلے بہر سیر تو نکلے گا مہر بھی — ہووے گا اجتماع شب ماہتاب میں

ڈوبی ہجوم اشک سے کشتی زمین کی — ماہی کو اضطراب ہوا جوش آب میں

کھولا جو دفتر گلہ اپنا زبان کا — گزری شب وصال ستم کے حساب میں

اے حشر جلد کر تہ و بالا جہان کو — یوں کچھ نہ ہو امید ابھی انقلاب میں

قاتل جفا سے باز نہ آیا وفا سے ہم — فتراک میں جو سر ہے تو جاں ہے رکاب میں

بازیچہ کر دیا ستم یار و جور چرخ — طفلی سے غلغلہ ہے مرا شیخ و شاب میں

مومن یہ عالم اس صنم جانفزا کا ہے
دل لگ گیا جہان سراسر خراب میں

جلتا ہوں ہجر شاہد و یاد شراب میں — شوق ثواب نے مجھے ڈالا عذاب میں

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں — سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں

پھیلی شمیم یار مرے اشک سرخ سے — دل کو غضب فشار ہوا پیچ و تاب میں

چین جبیں کو دیکھ کے دل بستہ تر ہوا — کیسی کشود کار کشاد نقاب میں

ہم کچھ تو بد تھے جب نہ کیا یار نے پسند — اے حسرت اس قدر غلطی انتخاب میں

رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص و عام — آباد ایک گھر ہے جہان خراب میں

آنکھ اس کی پھر گئی تھی دل اپنا بھی پھر گیا — یہ اور انقلاب ہوا انقلاب میں

بدنام میرے گریۂ رسوا سے ہو چکے — اب عذر کیا رہا نگہِ بے حجاب میں
مطلب کی جستجو نے یہ کیا حال کر دیا — حسرت بھی اب نہیں دلِ ناکامیاب میں
گویا کہ رو رہا ہوں رقیبوں کی جان کو — آتش زبانہ زن ہوئی طوفانِ آب میں
ناکامیوں سے کام رہا عمر بھر ہمیں — پیری میں یاس ہے جو ہوس تھی شباب میں
ہے اختیارِ یار میں سود و زیاں مگر — فاضل تھے ہم جہان سے قضا کے حساب میں
ناصح ہے عیب جو ہے دل آزار اس قدر — گویا صواب ہے سخنِ ناصواب میں
دونوں کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش — وہ ہی خط اس نے بھیج دیا کیوں جواب میں
تقدیر بھی بُری مری تدبیر بھی بُری — بگڑے وہ پرسشِ سببِ اجتناب میں
کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں — بے بادہ مست ہوں میں شبِ ماہتاب میں
بے رحمتوں کا وقت شکایت رہی رہی — آئے تو ہیں منانے کو وہ پر عتاب میں
تیری جفا نہ ہو تو ہے سب دشمنوں سے امن — بدمست غیر محو دل اور بخت خواب میں

پیہم سجود پائے صنم پہ دمِ وداع
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

بیمِ بیداد ستم کچھ دلِ مضطر میں نہیں — یوں ہوں نالاں کہ وہ گویا صفِ محشر میں نہیں
خارِ بستر پہ شبِ ہجر بچھاؤں کیونکر — دل میں تو ہے وہ گل اندام اگر بر میں نہیں
سر پٹکتا ہوں کہ بس ہم بھی نہوں گھر بھی نہ ہو — دھیان جس وقت یہ آتا ہے کہ وہ گھر میں نہیں
مجھ سے میکش کی طرف محتسب آتا ہی تو آئے — ایک قطرہ بھی سبو و خم و ساغر میں نہیں
جی اٹھے اور وہی رنجِ محبت کے عذاب — ہم نہ مانیں گے کہ ایذا تری ٹھوکر میں نہیں
ہم نفس کیونکہ مسخر وہ پری رو ہو گا — نام اہلِ ہوس اور افسوں گر میں نہیں

قطع اُمید سے سر کاٹنے کو کیا نسبت — مجھ میں وہ دم ہی ابھی جو ترے خنجر میں نہیں

دے دیا کیجیے بوسہ طلب دل پر — سچ کہا تم نے مزا حرفِ مکرر میں نہیں

کیا مؤثر ہو دعا وصلِ صنم کی مومن
ہم طلب کرتے ہیں وہ شے جو مقدر میں نہیں

ردیف الواو

سرمہ گیں آنکھ سے تم نامہ لگاتے کیوں ہو — خاک میں نام کو دشمن کے ملاتے کیوں ہو

گرم جولاں سرِ مدفن پہ تم آتے کیوں ہو — اپنے دل سوختہ کی خاک اُڑاتے کیوں ہو

شعلہ ہائے تپِ دل آگ لگاتے کیوں ہو — گر ہو دل سوزِ مرے مجھ کو جلاتے کیوں ہو

کون سے سوختہ اختر کا خیال آتا ہے — سرمہ جب دیتے ہو تم اشک بہاتے کیوں ہو

بارِ گردن تو نہیں تیغِ ستمگار آخر — جاں نثار و سرِ مشتاق جھکاتے کیوں ہو

جن سے منظور رہ وفا ہی ہو جفا بھی اُن پر — مجھ سے کچھ کام نہیں ہے تو ستاتے کیوں ہو

کھول دو وعدہ کہ تم پردہ نشیں ہو نہ وصال — آپ چھپتے ہو چھپو بات چھپاتے کیوں ہو

دلِ بیتاب کی اکسیر بناؤ گے کہیں — اس قدر شوق تہِ دل سے جلاتے کیوں ہو

نہیں منظور اگر بوالہوسی کا شکوہ — غیر کو تم مرے اشعار سُناتے کیوں ہو

توڑنا جان کا ہو جائے گا دشوار آخر — چارہ ساز دمِ اُمید بندھاتے کیوں ہو

اُس نے کیا غیر کو دز دیدہ نظر سے جھانکا — رخنہ ہائے درِ یار آنکھ چُراتے کیوں ہو

خیر ہے کس نے کہا شورِ قیامت تم کو — نالہ ہائے سحری دھوم مچاتے کیوں ہو

دم قدم سے ہے لگا جان نکل جائے گی — دیکھو سینے سے مرے پاؤں اُٹھاتے کیوں ہو

کھل گیا عشقِ صنم طرزِ سخن سے مومن
اب چھپاتے ہو عبث بات بناتے کیوں ہو

اگر زنجیر کش سوئے بیاباں اپنی وحشت ہو
تو پائے قیس کا ہر ایک چھالا چشمِ حیرت ہو

ہمارے قتل سے قاتل نہ کیوں غیروں کو عبرت ہو
بہم جوہر سے جوہر تیغ کا جب دستِ حسرت ہو

کسی کے ابروئے خوش خم کا کشتہ ہوں تعجب کیا
جو میری خاک سے تعمیر محرابِ عبادت ہو

دمِ بسمل خیالِ شکوۂ قاتل گر آ جاوے
لبِ زخمِ جگر میں دشنۂ انگشتِ ندامت ہو

سمجھتا خوب ہوں میں اس بناوٹ کی لگاوٹ کو
قسم کھا جاؤں گا گر تیرے دل میں کچھ محبت ہو

ہوئے بے خواب آدھی رات سے تو لگے کہنے
کہ سوتوں کو جگا دیتے ہو تم بھی کیا قیامت ہو

جلا جاتا ہوں سوزِ رشک سے مانند پروانہ
جلا مت اور کو تو گرچہ میری شمعِ تربت ہو

عدو سے بزم میں ہوتی رہی چشمک نہ جی کیا کیا
نہ دیکھا حال میرا تم بھی کتنے بے مروت ہو

بجائے سبزہ نکلے خاک سے میری زبانِ ظلم
دلِ نالاں یہ پس مردن جو سرگرمِ شکایت ہو

بھلا ایسے صنم کو خاک دل دے کوئی اے مومن
نہ جس کو کچھ مروت ہو نہ خاطر ہو نہ الفت ہو

کیسے مجھ سے بگڑے تم اللہ اکبر رات کو
ذبح ہی کرتے جو ہوتا پاس خنجر رات کو

اپنی آوازِ قدم سے بھی ڈر ڈر کر رات کو
مڑ کے پیچھے دیکھ لیتا تھا ہر قدم پر بات کو

ہم میں کیا باقی رہا تھا اے ستمگر رات کو
جاں بہ لب تھے بچ گئے قسمت سے مر کر رات کو

یاں جو تو لے مہروش تھا جلوہ گستر رات کو
چھٹ رہی تھی کیا ہوائی مہ کے اوپر رات کو

صرصرِ آہ و فغاں شعلہ زنِ طوفانِ اشک
جمع سامانِ خرابی تھا مرے گھر رات کو

بوئے گل کا لے نسیمِ صبح اب کس کو دماغ
ساتھ سویا ہے ہمارے وہ سمن بر رات کو

صبح دم مہتاب کا سا رنگ کیوں ہو گر نہ تھا
بوالہوس کے پاس تو اے نازپرور رات کو

بزمِ دشمن میں نہ ہو وہ نغمہ گر آتی رہی
ہر فغاں کے ساتھ لب پر جانِ مضطر رات کو

روزِ ہجرانِ خرابِ رقت ہو کیوں سخت تر
گلہ ہے گلہ ہے دن کو ملتے تھے وہ اکثر رات کو

رشک سے جلتا ہوں وہ سلے شمع بازِ عام میں
دن کو ہے تجھ پر وہی صدمہ جو تجھ پہ رات کو

دیکھیے وہ کون سی شب ہوئے گی اللہ رے جھوٹ
روز کہتے ہو کہ آؤں گا مقرر رات کو

رہ گئے ہم جل کے سے بھی یہ کیا اندھیر ہے
بند کس نے کر دیے تھے روزنِ در رات کو

جن ترے پیشِ نظر تھی یہ اندھیری چھا گئی
جائیں آنکھیں پھوٹ گر دیکھے ہوں اختر رات کو

کود کر گھر میں تو بہ بچائیں ترے پر کیا کروں
دم نکل جاتا تھا کھٹکے کے برابر رات کو

یاد دلوائی تپش نے تیری شوخی وصل کی
مر گئے ہم دیکھ کر چیں ہائے بستر رات کو

کیا کہوں تم جو نہ آئے کیا قیامت آ گئی
میہماں تھا میرے گھر میں روزِ محشر رات کو

کیا اسی بت خانہ کو فرماتے ہو ظلمت کدہ
حضرت مومن جہاں جا لیے ہو چھپ کر رات کو

آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو
ہے بوالہوسوں پر بھی ستم ناز تو دیکھو

اُس بت کے لئے میں ہوسِ حور سے گزرا
اس عشقِ خوش انجام کا آغاز تو دیکھو

چشمک مری وحشت پہ ہے کیا حضرتِ ناصح
طرزِ نگہِ چشمِ فسوں ساز تو دیکھو

اربابِ ہوس ہار کے بھی جان پہ کھیلے
کم طالعیِ عاشقِ جانباز تو دیکھو

مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اُٹھے وہ
بدنامیِ عشاق کا اعزاز تو دیکھو

محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے
منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو

اُس غیرتِ ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

دیں پاکیٔ داماں کی گواہی مرے آنسو — اس یوسفِ بیدرد کا اعجاز تو دیکھو

جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے
جورِ اجلِ تفرقہ پرداز تو دیکھو

یہ قدرت ضعف میں بھی ہے فغاں کو — کہ دے پھٹ کے زمیں پر آسماں کو
وفا سکھلا رہے گا دل ہمارا — تمہاری خاطرِ نامہرباں کو
پڑی ہے اُس گلی میں لاش دشمن — اُٹھاؤں کیونکر اس بارِ گراں کو
کہاں ہے تابِ نازِ برق اے کاش — جلا دے آتشِ گل آشیاں کو
پسینے کی جگہ آنے لگا خوں — چھپاؤں کس طرح زخمِ نہاں کو
سمجھتا کیونکہ دل والے کی باتیں — نہ پایا محرم اپنے راز داں کو
عدو کے گھر میں ہے تصویرِ شیریں — دکھاؤں کس طرح اُس بدگماں کو
نہیں آتا دمِ لیلیٰ روش سکھا دے — کوئی مجنوں کا قصہ ساربان کو
ہمارا عشق تو کیا مر جائیں تو بھی — نہ کھولے طرۂ عنبر فشاں کو
دیا اُس بدگماں کو طعنۂ غیر — غضب ہے کیا کہوں اپنی زباں کو
دلِ مضطر کی بیتابی نے مارا — کہاں سے لاؤں اُس آرامِ جاں کو

سُن اے مومن یہ ایماں ہے ہمارا
یہ کہنا کفر ہے عشقِ بتاں کو

ایسے سے کیا درستیِ پیمانِ بستہ ہو — جو قول دے تو رنگِ حنا کا شکستہ ہو
دم ہی اُلٹ گیا جو سُنا ہے ترا مریض — کیا حضرتِ مسیح سے درماں خستہ ہو
پروابستہ وار گرمِ تپش ہیں قلق سے ہم — تم شوخیوں سے شعلۂ بیتاب خستہ ہو

ممنونِ جوشِ گریۂ شادی ہوں چشمِ تر — صبحِ شبِ وصال کا گر بند رستہ ہو
کب جان دے ہی بسمل ہو نہ جب تلک — خنجر کا تیرے شاخِ غزالاں کا دستہ ہو
شاید کبھی وہ مہوشِ بدمست منھ لگالے — خاک اپنی کاش دُردِ تہِ غم نشستہ ہو

مومن نہ توڑ رشتۂ زُنّار برہمن
مت کر وہ بات جس سے کوئی دل شکستہ ہو

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو — وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ جو لطف مجھ پہ تھے بیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر — مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں — وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی بیٹھے دیکھا[1] جو روبرو تو اشارتوں ہی سے گفتگو — وہ بیانِ شوق کا برملا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
ہوئے اتفاق سے گر بہم تو وفا جتانے کو دم بدم — گلۂ ملامتِ اقربا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بُری لگی — تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی — کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
سنو ذکر ہے کئی سال کا کہ کیا اک آپ نے وعدہ تھا — سو نباہنے کا تو ذکر کیا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ بگڑنا وصل کی رات کا وہ نہ ماننا کسی بات کا — وہ نہیں نہیں کی ہر آن ادا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومنِ مبتلا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

آئے ہو جب بڑھا کر دل کی جلن گئے ہو — جوں سوزِ دل کہاں ہے تم آگ بن گئے ہو
روٹھے سو دو ٹھے ہم سے منتے نہیں ہو کیونکر — غیروں سے جب لڑے ہو لڑتے ہی من گئے ہو
باقی نہیں کدورت شوقِ ستم کی ہرگز — کیلے دل و جگر تم تیر دل سے چھن گئے ہو

---

[1] کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو — نسخۂ ضیا ر بدایونی

جاؤ تو جاؤ سوئے دشمن سوئے فلک کیوں — اے گرم نالہ ہائے آتش فگن گئے ہو

بادِ بہار میں ہے کچھ اور عطر ریزی — تم آج کل میں شاید سوئے چمن گئے ہو

کیا حال ہے عدم کا کہلا تو بھیجیو تم — اے خوگرانِ غربت سوئے وطن گئے ہو

ہے کچھ تو بات مومن جو چھا گئی خموشی
کس بت کو دے دیا دل کیوں بت سے بن گئے ہو

پونچھنے سے ہمدمو دریا ہے کیونکر خشک ہو — سب کے دامن نم ہوں پر کب دیدۂ تر خشک ہو

آہ کی گرمی سے دنیا میں ہو جو تر خشک ہو — نوح کا طوفاں بھی ہو تو خشک ہے پر خشک ہو

اُف رے خونناب دل اللہ رے سیلاب سرشک — اس سے تر ہے روئے زمیں جس سے سمندر خشک ہو

سوزِ دل آبِ جگر لینے دے دم تو کب ملک — تر رہیں آنکھیں ہمیشہ اور لبِ اکثر خشک ہو

موج زن ہر ایک دریا ہے جو بحرِ اشک ہے — آستیں ہو جائے تر دامانِ تر گر خشک ہو

شمع ساں ہیں سوزِ گریہ سے سراپا جل گیا — ہے تعجب گر نہ جسم پانی کے اندر خشک ہو

ابر بھی کھل جائے ہے دریا بھی کچھ تھم جائے ہے — دیدۂ پرنم کبھی تو بھی تو دم بھر خشک ہو

روزِ محشر آئے ہے اس تشنۂ دیدار کا — حلق تیغ تر نہ ہو اور حوضِ کوثر خشک ہو

گریۂ خونیں کو قصدِ عالمِ بالا ہے پھر — کیوں نہ خون روحانیوں کا آسماں پر خشک ہو

تشنہ کام عشق ہوں گر خاک سے میری بنے — آب جوں جوں پھیرے دوں دل اور ساغر خشک ہو

رونے کی جا ہے اگر ہو بعد ملنے کے فراق — ہے غضب گر نخل کوئی پھول پھل کر خشک ہو

شعر تر دہ ہیں مرے مومن کہ ہنگامِ جواب
خوف سے منہ اور زبانِ ہر سخنور خشک ہو

لے ناصحو آ ہی گیا وہ فتنۂ ایام لو — ہم تو کہتے تھے بھلا اب تم تو دل کو تھام لو

مجنونِ محوِ یار ہوں ہونے کا میرے کیا علاج
گر چارہ ساز ہو سکے تو فصد لیلیٰ کا نام لو

کیا قہر ہے کب تک کوئی رہ جائے جام اغنو پی لو
ہنس ہنس کے میرے سر آگئے تم دستِ غیر سے جام لو

تنگ ہیں ہم صیاد کے کہتا ہوں کس لطف سے
گر ہو سکے اڑو چمن اے بستگانِ دام لو

ایسی ادا سے بوسۂ دل لب کا کہ شادی مرگ ہوں
جور و ستم کا میری جاں لطف و کرم سے کام لو

بختِ سیاہ اے مومن آخر ملا ہے خاک میں
یک چند ملکِ ہند لو یا سرزمینِ شام لو

دن رات فکر حد میں یوں رنج اٹھاؤ گے کب تک
میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو

پھر سوئے مقتل آئے وہ ہاتھ آئے تو بہرِ نثار
اے کشتگانِ شوقِ جاں نہ دو سے سو دام لو

مومن تم اور عشقِ بتاں اے پیر و مرشد خیر ہے
یہ ذکر اور منہ آپ کا صاحب خدا کا نام لو

یہ مایوسی دلِ جاں زار و شبگیر تو کھینچو
کھنچے گا اس کا دل آہِ فسوں تاثیر تو کھینچو

شفیعِ بے گناہاں ہے نزاکت اس کلائی کی
بھلا خوں تو کرو گے پہلے تم شمشیر تو کھینچو

سبک روحِ تجرد بھی کہیں پابند ہوتا ہے
نسیمِ گل کی تمثال بھلا تصویر تو کھینچو

وہ آئے یا نہ آئے زیست میری ہو نہ ہو لیکن
ذرا اے چارہ ساز زحمتِ تدبیر تو کھینچو

اثر ہوا ہی کب ہم سے نادار دل کو اے ناصح
فغاں سے پیشتر تم خجلتِ تقریر تو کھینچو

سینہ زور آزمائی جذبِ دل کو آج ہی دیکھو
کھنچے گا لہو سینے سے تم اپنا تیر تو کھینچو

عبث نالش ہے آہ تیرہ روزی چشمِ جادو کی
زباں بند ہو ہوس سرمہ کی اک تحریر تو کھینچو

دکھا دوں گا تماشا بس نہ چھیڑو مجھ سے مجنوں کو
ہلا دوں گا زمین و آسماں زنجیر تو کھینچو

کہاں اس نوجواں کے ناز کی طاقت کہیں مومن
ابھی سے مشق تو ہو جورِ چرخِ پیر تو کھینچو

اعجازِ جاں دہی ہے ہمارے کلام کو — زندہ کیا ہے ہم نے مسیحا کے نام کو

لکھو سلام غیر کے خط میں غلام کو — بندے کا بس سلام ہے ایسے سلام کو

اب شور ہے مثال جو دی اُس خرام کو — یوں کون جانتا تھا قیامت کے نام کو

آتا ہے بہرِ قتل وہ دور اے ہجومِ یاس — گھبرا نہ جائے دیکھ کہیں اژدحام کو

گو آپ نے جواب بُرا ہی دیا و لے — مجھ سے بیاں نہ کیجے عدو کے پیام کو

یاں وصل ہے تلافیِ ہجراں میں اے فلک — کیوں سونچتا ہے تازہ ستم انتقام کو

تیرے سمندِ ناز کی بے جا شرارتیں — کرتے ہیں آگ نالۂ اندیشہ کام کو

گریہ پہ تیرے زندہ دلو ہنستے کیا ہو آہ — روتا ہوں اپنے میں دلِ جنت مقام کو

سُن سُن کے نادرست تری خو بگاڑ دی — ہم نے خراب آپ کیا اپنے کام کو

اُس سے جلا کے غیر کو اُمیدِ پختگی — لگ جائے آگ دل کے خیالاتِ خام کو

بختِ سعید آئینہ داری کرے تو میں — دکھلاؤں دل کے جوہر اُس آئینہ فام کو

جب تو چلے جنازۂ عاشق کے ساتھ ساتھ — پھر کون وارثوں کے سُنے اذنِ عام کو

شاید کہ دن پھرے ہیں کسی تیرہ روز کے — اب غیر اُس گلی میں نہیں پھرتے شام کو

مدّت سے نام سُنتے تھے مومن کا بارے آج
دیکھا بھی ہم نے اُس شعرا کے امام کو

ہم سمجھتے ہیں آزمانے کو — عذر کچھ چاہیے ستانے کو

سنگِ در سے ترے نکالی آگ — ہم نے دشمن کا گھر جلانے کو

صبحِ عشرت ہے وہ نہ شامِ وصال — ہائے کیا ہو گیا زمانے کو

بوالہوس روئے میرے گریہ پہ اب — مُنہ کہاں تیرے مسکرانے کو

برق کا آسمان پر ہے دماغ | پھونک کر میرے آشیانے کو
سنگ سودا جنوں میں لیتے ہیں | اپنا ہم مقبرہ بنانے کو
شکوہ ہے غیر کی کدورت کا | سو مرے خاک میں ملانے کو
روزِ محشر بھی ہوش گر آیا | جائیں گے ہم شراب خانے کو
سن کے وصف اس پہ مر گیا ہمدم | خوب آیا تھا غم اٹھانے کو
کوئی دم ہم جہاں میں بیٹھے ہیں | آسماں کے ستم اٹھانے کو
چل کے کعبے میں سجدہ کر مومن | ق چھوڑ اس بت کے آستانے کو

نقش پائے رقیب کی محراب
نہیں زیبندہ سر جھکانے کو

صد حیف سینہ سوزِ فغاں کارگر نہ ہو | یاں جان پر بنے ترے دل میں اثر نہ ہو
دیکھیں غمِ درد نہ پہ کب تک نظر نہ ہو | میراشگاف سینہ ترا چاک در نہ ہو
اے آہ آسماں میں عبث رخنہ گر نہ ہو | ڈرتا ہوں میں نہ دلِ بلا بیشتر نہ ہو
فریاد بے گناہ کشی جا بجا کر دل | گر وہ ہم جاں نثار ہی پیغامبر نہ ہو
معشوق و مے سے زاہد مفلس کو یاس سے | قطع تعلقات کس امید پر نہ ہو
ایسے سے قدر مہر و وفا کی امید کیا | جس کی ہنوز اپنے ستم کی خبر نہ ہو
ہو خانماں خراب ستم سے زیادہ تر | ایسا نہ ہو کہ اب بھی ترے دل میں گھر نہ ہو
عابد فریب شوخی در غیبت فزا نگاہ | میں کیا کسی سے صبر تجھے دیکھ کر نہ ہو
اے گردشِ زمانہ کبھی تو تغیر آ کرے | حسرت مجھے قبول اگر اس قدر نہ ہو
سودا ہے مجھ کو گرمیِ بازارِ عشق کا | اس کا کہاں خیال کہ اپنا ضرر نہ ہو

پائے طلب شکستہ نہ کوتاہ دستِ شوق
ہم بھی ستم کریں جو وہ نازک کمر نہ ہو

حزنِ ملال میں ہی دل آزردگی کا وہم
کیسی بُری بنے جو گلہ بے اثر نہ ہو

ہے آرزو سے مرگ کی بے التفاتیاں
جینا مرا محال تو دشمن اگر نہ ہو

صحبت میں ایک رات کے وہ تنگ آ گئے
طولِ امل سے قصہ مرا مختصر نہ ہو

لذت بغیر جاں دہی مردگاں محال
آبِ بقا فشردۂ دامانِ تر نہ ہو

ہیں جاں نثار کہیئے تو مر جائیں ہم ابھی
یہ کام بُوالہوس سے کبھی عمر بھر نہ ہو

جب فرق بے کلاہ ہوا چین آ گیا
راحت زیادہ تر ہو اگر تن پہ سر نہ ہو

پامال کیجئے شوق سے یہ بزم خاص میں
اتنا تو ہو کہ خاکِ سری در بدلہ نہ ہو

سوتے سے اُٹھ کر آئے ہیں یارب جائیں وہ
شرمندہ آج شب سے دعائے سحر نہ ہو

اب کیجیے آہ تابِ گسل ہر جفا کے ساتھ
جب جان سے گذر گئے پھر در گذر نہ ہو

مومن ہوا رقیب حذر اے صنم پرست
ایسے سے ڈریے جس کو خدا کا بھی ڈر نہ ہو

خالی ہوائے فتنہ سے گا ہے جہاں نہ ہو
اُس دم قیامت آئے اگر آسماں نہ ہو

اعجاز سے زیادہ ہے سحر اُن کے ناز کا
آنکھیں وہ کہہ رہی ہیں جو لب سے بیاں نہ ہو

یوں تو بہت سے دل کے خریدار ہیں وے
جو ہے سو بد معاملہ کیونکر زیاں نہ ہو

لکھتا ہوں اُس کو بستگیِ دل کا ماجرا
آنسو رواں نہ ہو تو سیاہی رواں نہ ہو

شیخِ حرم سے کام نہ پیرِ مغاں سے ربط
کیا کفر و دیں جو پاس وہ زیبا جواں نہ ہو

تر کر دیا ہے ابرِ بہاری نے اس قدر
بجلی گرے تو گرم مرا آشیاں نہ ہو

اب شوقِ وصل ہے نہ غمِ قربِ مدعی
پامال ہو چکا ہوں عبث سرگراں نہ ہو

کرنی نہ تھیں بگاڑ کی باتیں گلہ میں ہائے — کیسی بنے جو دل سے وہ نامہرباں نہ ہو
عزمِ سفر جہاں سے کروں کیا شبِ فراق — میں جانتا ہوں چین کہاں تو جہاں نہ ہو
اس شرط پر جو لیجیے تو حاضر ہے دل ابھی — رنجش نہ ہو فریب نہ ہو امتحاں نہ ہو
یہ جامہ پارہ پارہ تڑپنے سے ہو گیا — صبح شبِ فراق ہے تو بدگماں نہ ہو

مومن بہشت و عشق حقیقی تمہیں نصیب
ہم کو تو رنج ہو جو غمِ جاوداں نہ ہو

ردیف الہا

چل پرے ہٹ مجھے نہ دکھلا مُنھ — اے شبِ ہجر تیرا کالا مُنھ
آرزوئے نظارہ تھی تو نے — اتنی ہی بات پر چھپایا مُنھ
دشمنوں سے بگڑ گئی تو بھی — دیکھتے ہی مجھے بنایا مُنھ
بات پوری بھی مُنھ سے نکلی نہیں — آپ نے گالیوں پہ کھولا مُنھ
ہو گیا رازِ عشق بے پردہ — اُس نے پردہ سے جو نکالا مُنھ
شبِ غم کا بیان کیا کیجے — ہے بڑی بات اور چھوٹا مُنھ
جب کہا یار سے دکھا صورت — ہنس کے بولا کہ دیکھو اپنا مُنھ
کس کو خونِ جگر پلائے گا — ساغرِ مے کو کیوں لگایا مُنھ
پھر گئی آنکھ مثلِ قبلہ نما — جس طرف اُس صنم نے پھیرا مُنھ
گھر میں بیٹھے تھے کچھ اُداس سے وہ — بُرے بس دیکھتے ہی میرا مُنھ
ہم بھی غمگین سے ہیں آج کہیں — صبح اُٹھتے تھے دیکھ تیرا مُنھ

سنگِ اسود نہیں ہے چشمِ بتاں
بوسہ مومن طلب کرے کیا منھ

جو تیرے منہ سے نہ ہو شرمسار آئینہ — تو رُخ کرے سوے آئینہ دار آئینہ
کہے ہے دیکھ کے رخسار یار آئینہ — کہ اس صفائی پہ صدقے نثار آئینہ
سیاہ رو نہ کرے ترکِ الفتِ گلفام — میں بوالہوس کو دکھاؤں ہزار آئینہ
صفائے دل کی کہاں قدر تیرہ روزی ہے — چراغِ صبح ہے شبہائے تار آئینہ
سمجھ لیا مگر اُس سبز رنگ کو طوطی — کہ ہے نظارہ کا اُمیدوار آئینہ
وہ سخت جاں ہوں کہ دکھلائیں گرز مرد افگن — تو توڑ دے کمرِ کوہسار آئینہ
مقابل اُس رخِ روشن کے کھل گئی قلعی — نہ ٹھہرا آگ پہ سیماب کار آئینہ
سمائے ہیں مگر ترے تو بہ تو جلوے — کہ بن گیا ہے طلسمِ بہار آئینہ
شکستِ رنگ پہ مستی میں ہنستے ہیں ہم بھی — دکھائیں گے اُنھیں وقتِ خمار آئینہ
مجھے تو کہتے ہو مت دیکھ مری جانب تو — اور آپ دیکھتے ہو بار بار آئینہ
بلا ہے منعِ وفا نور اُڑ گیا ناصح — تو لیکے دیکھ تو رنگِ عذار آئینہ

سمجھ مومن اگر ناروا ہے خود بینی
تو دیکھیں کاہے کو پرہیزگار آئینہ

سیماب ہے پہلو میں مرے دل تو نہیں یہ — اس دل نے ستایا مجھے غارت ہو کہیں یہ
معلوم رسائی ترے کانوں تک اگرچہ — نالہ مرا کہتا ہے کہ ہے عرش بریں یہ
کچھ شور محبت کی تو لذت ہی نہ پوچھو — ہے آپ کے بھی حسن سے کتنا نمکیں یہ
اک آہ کو ہی کر لوں کہ ہو شاید اُسے تاثیر — فرصت نہیں اب ہم نفسِ باز پسیں یہ

حسرت سے کہا خضر نے دیکھ اُس کی گلی کو
مرتا ہوں ابھی گر ملے مدفن کو زمیں یہ

کیا یار کے آنے کی سُنی کچھ کہ اجل کی
کل ہے کی خوشی ہجر میں ہے جانِ حزیں یہ

کیوں چھیڑتے ہو مجھ کو بُرا ہونے لگا کیوں
ہے غیر کا نامہ نہ مرا خطِ جبیں یہ

یا پردہ اُٹھا ورنہ کھلا شوقِ نہانی
اب مجھ سے تو چھپتا نہیں اے پردہ نشیں یہ

یاں کا ہے کو وہ آنے لگا اے کششِ دل
تو لاکھ کہے پر کوئی آتا ہے یقیں یہ

بیدم سا پڑا تھا کوئی اس کوچہ میں اُس نے
دروازے میں آ جھانک کے دیکھا جو کہیں یہ

اس رحم کے صدقے وہیں گھبرا کے کہا ہاں
جا کر کوئی دیکھو کہیں مومن تو نہیں یہ

دلبستگی سی ہے کسی زلفِ دوتا کے ساتھ
پالا پڑا ہے ہم کو خدا کس بلا کے ساتھ

کب تک نباہیے بتِ ناآشنا کے ساتھ
کیجے وفا کہاں تلک اُس بے وفا کے ساتھ

یاد ہوائے یار نے کیا کیا نہ گل کھلائے
آئی چمن سے نکہتِ گل جب صبا کے ساتھ

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجرِ یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

ہے کس کا انتظار کہ خوابِ عدم سے بھی
ہر بار چونک پڑتے ہیں آوازِ پا کے ساتھ

یا رب وصالِ یار میں کیونکر ہو زندگی
نکلی ہی جان جاتی ہے ہر ہر ادا کے ساتھ

اللہ رے سوزِ آتشِ غم بعد مرگ بھی
اُٹھتے ہیں میری خاک سے شعلے ہوا کے ساتھ

سو زندگی نثار کروں ایسی موت پر
یوں روئے زار زار تو اہلِ عزا کے ساتھ

ہر دم عرق عرق نگہِ بے حجاب ہے
کس نے نگاہِ گرم سے دیکھا حیا کے ساتھ

مرنے کے بعد بھی وہی آوارگی رہی
افسوس جاں گئی نفسِ نارسا کے ساتھ

دستِ جنوں نے میرا گریباں سمجھ لیا
اُلجھا ہے اُن سے شوخ کے بندِ قبا کے ساتھ

آتے ہی تیرے چل دیئے سب ورنہ یاس کا — کیسا ہجوم تھا دل حسرت فزا کے ساتھ

میں کینے سے بھی خوش ہوں کہ سب تو کہتے ہیں — اس فتنہ گر کو لاگ ہے اس مبتلا کے ساتھ

مومن وہی غزل پڑھو شب جس سے بزم میں
آتی تھی لب پہ جاں وہ وحبذا کے ساتھ

اُلٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ — بے طاقتی کے طعنے ہیں عذرِ جفا کے ساتھ

بہر عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ — دم ہی نکل گیا مرا آوازِ پا کے ساتھ

بے پردہ غیر پاس اُسے بیٹھا نہ دیکھتے — اُٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ

وہ لالہ رو گیا نہ ہو گلگشتِ باغ کو — کچھ رنگ بوئے گل کے عوض ہے صبا کے ساتھ

اُس کی گلی کہاں یہ تو کچھ باغ خلد ہے — کس جائے مجھ کو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ

آتی ہے بوئے داغ شبِ تارِ ہجر میں — سینہ بھی چاک ہو نہ گیا ہو قبا کے ساتھ

گلبانگ کس کا شورۂ قتل ہو گیا — کچھ آج بوئے خوں ہے یہاں کی ہوا کے ساتھ

تھی وعدے سے پھر آنے کی خوش یہ خبر نہ تھی — ہے اپنی زندگانی اسی بیوفا کے ساتھ

کوچے سے اپنے غیر کا منہ ہے ہٹا سکے — عاشق کا سر لگا ہے ترے نقشِ پا کے ساتھ

اللہ ری گمرہی بُت و بُت خانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ

تکلیف سے جوں پنجۂ گل لال ہوا ہاتھ — نازک ہے وہ بس چھوڑیے اے رنگ حنا ہاتھ

میں اپنے گریباں کے ٹکڑوں کا ہوں پیرو — ملتے ہیں جنوں میں مرے پانو سے سوا ہاتھ

ہے دست مری نبض کی تو نے ید بیضا — یہ معجزہ تا وہ مسیحا کے لگا ہاتھ

ہنگامِ وداع آہ گلا کاٹ لیے تھے — کیا کھینچیے دامن کو ترے کام میں تھا ہاتھ

رکھا تو دلِ وحشی سے اب اُٹھ نہیں سکتا — قربان نزاکت کے میں کیا پاؤں ہے کیا ہاتھ

چھونے نہ دیا چاکِ گریبانِ کفن کو — یاروں نے کئے دفن مرے تن سے جدا ہاتھ

یہ دستِ بُریدہ مرے قاصد کا نہ ہووے — ہے مہر کا خط ہائے شعاعی سے بھرا ہاتھ

جیسا مجھے آرام ترے ہاتھ سے آیا — اللہ کرے یوں ہی ترا سینہ مرے ہاتھ

جوں شاخِ گل اے جوشِ جنوں نے اڑے ہو یعنی — جب چاک ہوا جامہ تو بس ٹوٹ گیا ہاتھ

بیٹھا کفِ افسوس ملے گا پسِ کشتن — غیروں سے بھی ظالم تو مرے ساتھ اٹھا ہاتھ

ہم اور یہ بدعت تپشِ دل کے سبب سے
مومن مرے سینہ پہ رہے ہے بعدِ فنا ہاتھ

ہم ہیں فلک نگہ کی بھی طاقت نہ چھوڑ دیکھ — دستِ مژہ سے پنجۂ خور کو مت مروڑ دیکھ

لے جامہ زیب میں ہوں نہ مجنوں کہ قیس کا — پھٹ جائے سینہ مرے گریباں کے جوڑ دیکھ

دورِ خمار کا بھی ہے کچھ دھیان یا نہیں — اے مستِ حسن شیشۂ دل کو نہ توڑ دیکھ

گر نازکی سے بار ہے دشنہ تو اک نگاہ — ہم نیم بسملوں کو تڑپتا نہ چھوڑ دیکھ

اغوائے غیر سے نہ جگا خفتہ فتنہ کو — میں عشق نہیں ہوں لاغری مت جھنجھوڑ دیکھ

آئینہ خانہ بن گیا دل توڑنا نہ تھا — یعنی اب ایسے جلوہ نما ہیں کروڑ دیکھ

طوفاں میں اب ہر گہرِ اشک ہے نہاں — اے باد دستِ دامنِ مژگاں نہ چھوڑ دیکھ

میرا قلق بھی قبلہ نما سے نہیں ہے کم — باور نہیں تجھے تو ذرا منہ کو موڑ دیکھ

کیا رحم دیکھنے کی بھی بندی ہو چاہیے — اے چشم اُس کے سامنے تو ہاتھ جوڑ دیکھ

جلنا ترا بتوں میں بھی تاثیر کو گیا
مومن یقیں نہیں ہے تو پتھر کو پھوڑ دیکھ

ردیف الیاء

منظورِ نظر غیر سہی اب ہمیں کیا ہے
بے دید تری آنکھ سے دل اپنا بھرا ہے

کھائی ہے قسم ہم نے کہ پرہیز کریں گے
گر درد سے بھر جائے طبیعت تو مزا ہے

جب گھر میں نہ ہو تم تو ہمیں کوسچ میں ہم کہیں
شکوہ جو تمہارا تو ہمارا بھی بجا ہے

بس بس نہ کرو بات کہ یاد آ گئے ہے مجھ کو
ناصح سے جو کچھ بے خودیوں میں بھی سنا ہے

کس طرح نہ اُس شوخ کے رونے پہ ہنسوں میں
نظروں میں مروت ہے نہ آنکھوں میں حیا ہے

اب شوق سے تم محفلِ اغیار میں بیٹھو
یاں گو قضیۂ خلوت میں عجب لطف اُٹھا ہے

یارب کوئی معشوقہ دجو نہ ملے یارب
جو اُن کی دعا ہے وہی اپنی بھی دعا ہے

توبہ گنہ عشق سے فرمائے ہے واعظ
یہ بھی کہیں دل دے کے گنہگار ہوا ہے

آزردۂ حرمانِ ملاقات ملے گیا
یعنی کہ نہ ملنا ہے نہ ملنے کی سزا ہے

پرہیز سے اُس کے گئی بیماریِ دل آہ
بیگیونگیوں میں بھی عجب ربط رہا ہے

تھا محوِ رخِ یار میں کیا آئینہ دیکھوں
معلوم ہے یارو مجھے جو رنگ مرا ہے

چاہا کرے دل لاکھ نہ بولوں گا جو ہمدم
وہ میرے منانے کو رقیبوں سے خفا ہے

میں ترکِ وفا سے بھی وفادار ہوں مشہور
کیوں تجھ سے جلے دشمنِ اربابِ وفا ہے

مومن نہ سہی بوسۂ پا سجدہ کریں گے
وہ بت ہی جو اوروں کا تو اپنا بھی خدا ہے

خوشی نہ ہو مجھے کیونکر قضا کے آنے کی
خبر ہے لاش پہ اُس بے وفا کے آنے کی

ہے ایک خلق کا خوں سر پہ اشکِ خوں کے مرے
سکھائی طرز اُسے دامن اُٹھا کے آنے کی

سمجھ کے اور ہی کچھ مر چلا ہیں اے ناصح
کہا جو تو نے نہیں جان جائے آنے کی

اُمید سرمہ میں تکتے ہیں راہ دیدۂ زخم
شمیم سلسلۂ مشک سا کے آنے کی

چلی ہے جان نہیں تو کوئی نکالو راہ
تم اپنے پاس تک اس مبتلا کے آنے کی

نہ جائے کیوں دلِ مرغِ چمن کہ سیکھ گئی
بہار وضع ترے مسکرا کے آنے کی

مشامِ غیر میں ہو بیچ ہے نکہتِ گل داغ
یہ بے سبب نہیں بندی ہوا کے آنے کی

جو بے حجاب نہ ہوگی تو جان جائے گی
کہ راہ دیکھی ہے اُس نے حیا کے آنے کی

پھر اب کی لا ترے قربان جاؤں جذبۂ دل
گئے ہیں یاں سے وہ سوگند کھا کے آنے کی

خیالِ زلف میں خود رفتگی نے قہر کیا
اُمید تھی مجھے کیا کیا بلا کے آنے کی

کروں میں وعدہ خلافی کا شکوہ کس کس سے
اجل بھی رہ گئی ظالم منا کے آنے کی

کہاں ہے ناقہ ترے کان بجتے ہیں مجنوں
قسم ہے تجھ کو صدائے درا کے آنے کی

مرے جنازہ پہ آنے کا ہے ارادہ تو آ
کہ دیر اُٹھانے میں کیا ہے صبا کے آنے کی

مجھے یہ ڈر ہے کہ مومن کہیں نہ کہتا ہو
مرے تسلّی کو روزِ جزا کے آنے کی

میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آجائے
پر یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہویا آجائے

باندھوا یہ چارہ گر دم چلتے کہ وہ بھی شاید
وصلِ دشمن کے لئے سوئے مزار آجائے

کر ذرا اور بھی اے جوشِ جنوں خوار و ذلیل
مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آجائے

نام بدبختیِ عشاق خزاں ہے بلبل
تو اگر نکلے چمن سے تو بہا آجائے

جیتے جی غیر کو ہو آتشِ دوزخ کا عذاب
گر مری نعش پہ وہ شعلہ عذار آجائے

کلفتِ ہجر کو کیا روؤں ترے سامنے میں
دل جو خالی ہو تو آنکھوں میں غبار آجائے

محوِ دلدار ہوں کس طرح نہ ہوں دشمنِ جاں — مجھ پہ جب ناصحِ بیدرد کو پیار آجائے

ٹھہر جا سوزِ تپش ہے تو تڑپنا لیکن — چارہ سازوں میں ذرا دمِ دلِ زار آجائے

حسنِ انجام کا مومن مرے بارے ہے خیال

یعنی کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا جائے

تیری پابوسی سے اپنی خاک بھی مایوس ہے — نقشِ پا پر نقشِ پا ظالم کفِ افسوس ہے

ہائے یادِ مرغِ مجنوں کی جنوں افزائیاں — میرے سر کو سایۂ بالِ ہما منحوس ہے

چشمِ دریا بار ہے کس کے خیالِ خط میں جو — فلسِ ماہی داغ افزائے پرِ طاؤس ہے

کیا یہ مطلب ہے کہ برعکسِ وفا ہوگی جفا — جو تمہارے عہد نامہ میں خطِ معکوس ہے

یاں جلایا جی حجابِ شمع رونے اور بھی — سوزِ پروانہ کو مانع پردۂ فانوس ہے

بسکہ شامِ وصل آغازِ سحر میں مر گئے — سینہ کوبی اہلِ غم کی ہم صدائے کوس ہے

غیرت آمد شدِ دشمن سے تلوؤں سے لگی — جل بجھیں گے اب کہ حالِ مشعلِ منکوس ہے

گر نہ ہو شکرِ جفائے متصل سے دردِ سر — لب پہ کچھ کچھ التماسِ جانِ غم مانوس ہے

نزع میں جی کا نکلنا تیرا آنا ہو گیا — بسکہ مرتے مرتے دل میں حسرتِ پابوس ہے

شاعری اپنی ہوئی نیرنگیِ انشوری — جو سخن ہے سو طلسم از بطلیموس ہے

کر چکا ہوں دعویٔ اخلاصِ بتاں میں امتحاں

میں نہ مانوں گا کہ مومن زاہدِ سالوس ہے

دیتے ہو تسکیں مرے آزار سے — دوستی تم کو نہیں اغیار سے

کچھ نہ سوجھا حسرتِ دیدار سے — سہل چھوٹے مرحلۂ دشوار سے

داغ خوں سے مرے وہ حیراں ہوا — دامن الجھا ہے گلِ بے خار سے

پھوڑ ڈالے بو الہوس سر کو کہ اب — جھانکتے ہیں روزنِ دیوار سے

فصد کی حاجت مجھے کیا چارہ گر — بہ گیا خوں دیدۂ خونبار سے

مال کیسا جاں بھی دے کر بو الہوس — گر بنے تو دل چھڑا لوں یار سے

مت کرو کنگھی نہ یہ دزدِ حنا — دل چھڑائے طرۂ طرار سے

آہ درِ چرخ کی کیا خاک اڑائے — فتنہ برپا ہے تری رفتار سے

کھا گیا جاں آکے دو اُس کو نکال — ہم نہیں خوش صحبتِ غمخوار سے

یوں کہے درد آیا اپنی چیز کا — حال دل گر پوچھئے دلدار سے

گر نصیحت گر ہیں سچ ہوں سادہ لوح — تو نبھے گی خوب اُس عیار سے

کیوں نہ کاٹیں لب اطبا مر گیا — حال پوچھا تھا تیرے بیمار سے

وعدہ کر کے وہ نہ آئے نامہ بر — تو نے پوچھا ہوئے گا تکرار سے

دستِ قاصد کاٹے کیوں ناسپاسی کیا — دزدیِ مضموں ہے طومار سے

ہائے بختِ خفتہ کی یوں جھپکی آنکھ — دشمنوں کے طالع بیدار سے

مجھ سے وہ چھپتے پھریں اس کے سوا — اور حاصل عشق کے اظہار سے

کہہ غزل اک اور بھی مومن کہ ہے
شوق اُس بت کو اسے اشعار سے

زہر ٹپکے ہے نگاہِ یار سے — موت سوجھی نرگسِ بیمار سے

قتل ہو کر ہم بچے آزار سے — عمر کے دن کٹ گئے تلوار سے

جا بجا نہریں ہیں جاری بہے اشک — لو نچے ہوں گے دامنِ کہسار سے

گر نہ کھیلیں جان بھی ہار دیں — عشق بازی سیکھئے اغیار سے

بن کہے راز ہائے پنہاں کو — اُسے کیونکر سنائے لوگوں نے
کیا تماشا ہے جو نہ دیکھے تھے — وہ تماشا دکھائے لوگوں نے

کر دیا مومن اُس صنم کو خفا
کیا کیا ہائے ہائے لوگوں نے

تمہیں تقصیر اُس بت کی کہ ہو میری خطا لگتی — مسلماں تو ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی
تڑپنے لوٹنے رونے کا باعث تجھ پہ بھی کھلتا — ترے دل کو بھی میری ہی اگر اے بیوفا لگتی
ستم اے شور بختی میری ہڈی کیوں ہما کھاتا — سگِ لیلیٰ ادا کو گر نہ ظالم بد مزا لگتی
جو مر جاتا تو یہ دکھ کاہے کو سہتا اگر آئیں — نہ کہتا میں تو شاید دشمنوں کی بد دعا لگتی
وہ پھرے ہے گرمِ نظارہ کہاں تک زخمِ دل ٹانکوں — کہ ہے ہر ہر نگہ کے ساتھ اک برچھی سی آ لگتی
نسیمِ مصر کا دم پیرِ کنعاں کاہے کو بھرتا — اگر کوچہ کی تیری خاک آلودہ ہوا لگتی
جو گریہ تر نہ کر دیتا تو جیسے نا کھینچا تھا — چمن میں کوہ میں صحرا میں آتش جا بجا لگتی
کئے تھے کاٹ کاٹ آلودہ خوں سے ہاتھیاں اپنے — وہاں دستِ حنا سے پانوں میں بھی شب حنا لگتی
بلائے جاں ہوا دھیان اُس سیہ کاکل کی چوٹی کا — نہ لگتا دل تو دل کے پیچھے کاہے کو بلا لگتی

کہیں سے ڈھونڈھ کر لانا بتِ کافر کو اے مومن
طبیعت سیرِ جنّت میں نہیں اُس کے سوا لگتی

سرمگیں چشم سے کیوں تیز نظر کرتا ہے — کب مرا نالہ ترے دل میں اثر کرتا ہے
جب وہ حیرت زدہ چہرے پہ نظر کرتا ہے — آئینہ صد گلہ آئینہ گر کرتا ہے
گر تصور سے ہوں ہم بزم تو بیتاب رہے ہے — کس قدر وہ مرے ملنے سے حذر کرتا ہے
کس کے ہنسنے کا تصور رہی شب درد کہ یوں — گدگدی دل میں کوئی آٹھ پہر کرتا ہے

غمِ خط میں ترے مرجائیں تو کچھ کیا ہی عجب — زہر کو جو کوئی کھاتا ہے ضرر کرتا ہے

اک نمکداں سے تو لذت نہ اُٹھی اے قاتل — زخمِ دل عرضِ نمکدانِ دگر کرتا ہے

کیا کیا دل نے کہ آنکھوں سے کہا رازِ نہاں — ایسے غماز کو بھی کوئی خبر کرتا ہے

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو — کہ شبِ غم کوئی کس طور سحر کرتا ہے

عدم آباد سے آنا مجھے یاد آئے ہے جب — کوئی حسرت زدہ دنیا سے سفر کرتا ہے

بختِ بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اُٹھتا ہوں — تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے

قتل کی ٹھہر گئی اپنی رقیبوں میں آج — خندہ کچھ طرزِ دگر چاکِ جگر کرتا ہے

سُن رکھو سیکھ رکھو اس کو غزل کہتے ہیں

مومن اے اہلِ فن اظہارِ ہنر کرتا ہے

دیکھ گریاں مجھے وہ چشم کو تر کرتا ہے — اشکِ غماز بھی آنکھوں میں جو گھر کرتا ہے

ذکر کر بیٹھیں مجرائی ہی سے شاید میرا — اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے

نالۂ غیرتِ بلبل سے بھڑک اُٹھے ہے آگ — گُل مری قبر پہ کیا کارِ شرر کرتا ہے

سدِ راہ ایسی نہیں غیرتِ یادِ اغیار — کب خیال اپنا ترے دل میں گزر کرتا ہے

میرے زرد آبلوں سے تختۂ صد برگ ہے دشت — ہے وہ اکسیرِ جنوں خاک کو زر کرتا ہے

ہے تری جا ہے تو ہر ایک کے دل میں کیونکر — دیکھئے حال مرا سب کو اثر کرتا ہے

تیری غفلت سے یہ حالت ہے کہ اب دیکھ مجھے — ترکِ آئینہ گری آئینہ گر کرتا ہے

کیا رُلاتی ہے مجھے فکرِ خیالِ دشمن — وصل میں جب وہ ادھر ہنس کے نظر کرتا ہے

اشکِ شادی نے دمِ وصل جلایا کہ مجھے — منعِ نظارہ مرا دیدۂ تر کرتا ہے

محو وعدہ ہے کسی بت کا تو مومن کہ نماز

پھیر کر قبلہ سے منہ جانب در کرتا ہے

نغاں کیا دم بھی لینا پارۂ دل اُڑاتا ہے
کہوں کیا دردِ پنہاں کی کلیجہ منہ کو آتا ہے

سُنا اُس نے مرا نالہ اثر بھی کچھ ہوا شاید
کہ دشمن کہہ گیا بے فائدہ کیوں غُل مچاتا ہے

پری لوٹے ہے انگاروں پہ دوزخ میں پڑی حوریں
تمہارا حسنِ عالم سوز کس کس کو جلاتا ہے

گراں خوابی وہی ہے بختِ خوابیدہ کی اے ظالم
مرا شورِ فغاں کاہے کو سوتوں کو جگاتا ہے

گرائے اشکِ پر تاثیر کیوں خلوت میں اے آنکھو
کوئی یوں خاک میں ایسے گہر کو بھی ملاتا ہے

کبھی کی پھر گئیں آنکھیں فرشتے بھی نظر آئے
تمہارا منہ چھپانا دیکھئے کیا کیا دکھاتا ہے

میں ایسا ہوں کہ دوں گا تجھ کو طعنہ بے وفائی کا
بگڑتا گر نہیں دشمن سے کیوں باتیں بناتا ہے

نہ کرنی تھی نصیحت اُس کے بیٹھے پر قیامت کی
عجب فتنہ ہے ناصح بھی کہ یہ فتنے اٹھاتا ہے

خیالِ خوابِ راحت ہے علاج اس بدگمانی کا

وہ کافر گور میں مومن مرا سانہ ہلاتا ہے

کیوں نہیں خونابہ نوشی بادہ خواری آپ کی
کس لئے ہے بے خودی غفلت شعاری آپ کی

کیوں ترم جانانہ کے بدلے ہے از خود رفتگی
کس لئے شوخی ہوئی ہے بیقراری آپ کی

منفعل سازِ رم ناہید نغمہ سے کیا ہوئے
کیوں گزرتی ہے فلک سے آہ و زاری آپ کی

آشنا سے ہو گئی بیگانگی جاتی رہی
ہو گئی کس آشتی دشمن سے یاری آپ کی

بوئے گل سے ہو مکدّر کس کی بو آئی ہے یاد
خاک اُڑانے کیوں لگی بادِ بہاری آپ کی

عشقِ مہ رو میں تڑپتے ہو نہیں تو کس لئے
جوں کتاں ہر شب قبا ٹکڑے ہے ساری آپ کی

مجھ کو حیراں دیکھ کر حیران ہو جاتے ہو کیوں
ایسی محوِ یاس سے اُمید داری آپ کی

جی جلا جاتا ہے کیوں ہر لحظہ کس پر دل گیا
لے گئی قابو سے جاں بے اختیاری آپ کی

کیوں ہے رنگ زرد پر گلگونہ اشک سرخ کا
کس لئے ملنے لگی رنگت ہماری آپ کی

ہارے کیا بیتاب ہو کر دھر لیا سینہ پہ ہاتھ
کھل گئی ہے ہوش کہنے سے دلفگاری آپ کی

سر نہ دینے لگتے ہو جس وقت رونا آئے ہے
بارے ہے اب تک تو باقی شرمساری آپ کی

دل گیا دم پر بنی آنکھیں لڑیں کہتی ہیں حال
بیقراری آہ و زاری اشکباری آپ کی

قطرہ ہائے اشک گنتے ہو اگر روتا ہوں میں
اس قدر خو ہو گئی اختر شماری آپ کی

کس صنم کی بندگی میں بت پرستی چھوڑ دی
ہو گئی مومن کی سی کیوں دینداری آپ کی

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے
کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے

رشک پیغام ہے عناں کش دل
نامہ بر راہ بر نہ ہو جائے

دیکھو مت دیکھیو کہ آئینہ
غش تمہیں دیکھ کر نہ ہو جائے

ہجر پردہ نشیں میں مرتے ہیں
زندگی پردہ در نہ ہو جائے

کثرت سجدہ سے وہ نقش قدم
کہیں پامال سر نہ ہو جائے

میرے تغیر رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے

میرے آنسو نہ پونچھنا دیکھو
کہیں دامان تر نہ ہو جائے

بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں
کہ فغاں بے اثر نہ ہو جائے

اے قیامت نہ آئیو جب تک
وہ مری گور پر نہ ہو جائے

مانع ظلم ہے تغافل یار
بخت بد کو خبر نہ ہو جائے

غیر سے بے حجاب ملتے ہو
شب عاشق سحر نہ ہو جائے

رشک دشمن کا فائدہ معلوم
مفت جی کا ضرر نہ ہو جائے

اے دل آہستہ آہ تاب شکن
دیکھ ٹکڑے جگر نہ ہو جائے

مومن ایماں قبول دل سے مجھے
وہ بت آزردہ گر نہ ہو جائے

جہاں سے تنگ ہوں اگر ایک دن بھی گزرے
جو تجھ پہ بس نہ چلا اپنے جی سے بس گزرے

بنی ہے صورِ سرافیل آہ بے تاثیر
نہ میرے دم پہ قیامت نفس نفس گزرے

نہ جاؤں کیونکہ سوئے دام آشیاں سے جب
خیالِ حسرتِ مرغانِ ہم قفس گزرے

جو اور کو تو ہدایت جو خود ہوں آوارہ
یہ عمر کاش کہ نجوں نالۂ جرس گزرے

دعائے غیرتِ شکرِ جفا نے کام کیا
کہ اب ہوس سے بھی اعدائے بوالہوس گزرے

یہ نیم جان و غمِ ہجر ہے وہی انصاف
جو تیرے دھیان میں آمرگ داد رس گزرے

دکھاؤں ناقہ لیلےٰ خرام ناز تجھے
کبھی ادھر سے جو اس شوخ کا فرس گزرے

نہ چھوٹے کیوں تنِ کاہید سے پسینا ہائے
طرف سے غیر کی جب نذرِ عطر خس گزرے

کہاں وہ ربط بتاں اب کہ اس کو تو مومن
ہزار سال ہوئے سیکڑوں برس گزرے

نہ انتظار میں یاں آنکھ ایک آن لگی
نہ ہائے ہائے میں تالو سے شب زبان لگی

جلا جگر تپِ غم سے پھڑکنے جان لگی
الٰہی خیر کہ اب آگ پاس آن لگی

گلی میں اس کی نہ پھر آتے ہم تو کیا کرتے
طبیعت اپنی نہ جنت کے درمیاں لگی

جفائے غیر کا شکوہ تھا تیرا تھا کیا ذکر
عبث یہ بات بری تجھ کو بدگمان لگی

ہنسو نہ تم تو مرے حال پر میں ہوں وہ ذلیل
کہ جس کی ذلت و خواری سے تم کو شان لگی

کہاں وہ آہ و فغاں دم بھی لے نہیں سکتے — ہمیں یہ تیری دعائے بد آسمان لگی

میں اور اُس کو بُلاؤں گا روزِ وصل ہی لو — اجل بھی کرنے محبّت کا امتحان لگی

برنگِ صورتِ بُلبُل نہیں نوا سنجی — یہ کیا ہوا کہ چپ اے گلستاں بیان لگی

سدا تمہاری طرف جی لگا ہی رہتا ہے — تمہارے واسطے ہے دل کو مہربان لگی

وہ کینہ ور تھا مومن تو دل لگایا کیوں
کہو تو کیا تمھیں ایسی بھلی وہ آن لگی

کیا مرے قتل پہ حامی کوئی جلّاد بھرے — آہ جب دیکھ کے تجھ سا ستم ایجاد بھرے

خونِ دل پیتے ہیں خو کردۂ محنت اے کاش — ساغرِ دہر میں ساقی مے بیداد بھرے

کہیں ہو جائے وصال آہ بلا سے چھوٹوں — ہجر کا دکھ کوئی کب تک دلِ ناشاد بھرے

تیشہ کچھ دشنۂ شیریں نہیں اے غیرت — اپنے ہی خوں سے مگر دامنِ فرہاد بھرے

ہوں میں وہ صیدِ جگر خونِ اسیری مُشتاق — جو پسِ ذبح بھی ہر دم دمِ صیاد بھرے

پھر تو سرگوشیِ دشمن میں بھی تاثیر نہ ہو — گر نہ کان اُس کے فغانِ گلہ ارشاد بھرے

چارہ گر اُس کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا — خون اتنا کہ سرِ نشترِ فصّاد بھرے

دمبدم رنگ ہی تغییر مرا حیران ہے — رنگ کیسا مری تصویر میں بہزاد بھرے

مومن اس شعلہ زبانی کی کہاں قدر مگر
مُنہ درِ آبلہ سے گرمیِ فریاد بھرے

کرتا ہے قتلِ عام وہ اغیار کے لئے — دس بیس روز مرتے ہیں دو چار کے لئے

دیکھا عذابِ رنج دلِ زار کے لئے — عاشق ہوئے ہیں وہ مرے آزار کے لئے

دل حشق ترے نذر کیا جان کیونکہ دوں — رکھا ہے اُس کو حسرتِ دیدار کے لئے

لے تو ہی بھیج دے کوئی پیغام تلخ اب
تجویز زہر ہے ترے بیمار کے لئے

آنا نہیں ہے تو تو نشانی ہی بھیج دے
تسکینِ اضطرابِ دلِ زار کے لئے

کیا دل دیا تھا اس لئے میں نے تمھیں کہ تم
ہو جاؤ یوں عدو مرے اغیار کے لئے

چلنا تو دیکھنا کہ قیامت نے بھی قدم
طرزِ خرام شوخیِ رفتار کے لئے

جی میں ہے موتیوں کی لڑی اسکو بھیج دوں
اظہارِ حال چشم گہر بار کے لئے

دیتا ہوں اپنے لب کو بھی گلبرگ سے مثال
بوسے جو خواب میں ترے رخسار کے لئے

جلنا امید وصل پہ ہجراں میں سہل تھا
مرتا ہوں زندگانی دشوار کے لئے

مومن کو تو نہ لائے کہیں دام میں وہ بت
ڈھونڈے ہے تار سبحۂ زنّار کے لئے

کہاں تک دم بخود رہیے نہ ہوں کیجے نہ ہاں کیجے
کہاں تک کھائیے غم کب تلک ضبط فغاں کیجے

سوائے نقطۂ موہوم کیا وصفِ دہاں کیجے
بنا کر بات کیا کہیے جو کچھ ہو تو بیاں کیجے

ہوا گل دیکھتے ہی یاد رخ میں یا کہتے تھے
ذرا بہلائیے جی چلئے سیر گلستاں کیجے

عدو کے وہم سے تکتا ہوں بزم عیش میں ہر سو
نہیں ہی اور کچھ لیکن آپ بیجا ہی گماں کیجے

عرض ہمسائے میں بھی اس کا رہنا کیا قیامت ہے
کہ سن لیتا ہے وہ گھر میں جو کچھ مذکور یاں کیجے

کہیں تو کیا کہیں ورنہ کہے کیونکر دوا ہووے
بڑی مشکل پڑی کیا چارۂ دردِ نہاں کیجے

وہی ہجراں وہی غم کھانے پہ کب تک زندگانی ہو
بس اب مر جائیے کچھ کھا کے عیشِ جاوداں کیجے

رکھے سے ہاتھ سینے پر بھلا کب مانتا ہے دل
نہ جب تک روئیے دو چار آہِ خوں چکاں کیجے

عدو اس اوج پر شاکی ہے شاید غصہ آجاوے
ملا دے خاک میں یہ تو بھی شکر آسماں کیجے

کچھ آخر حد بھی ہے جور و جفا و ظلم کی کب تک
تحمل در گزر ہر لحظہ ہر دم ہر زماں کیجے

گلا ہم کاٹ لیں گے آپ تیغِ رشک سے اپنا — عدو کو قتل کیجے پھر ہمارا امتحاں کیجے

عذابِ ایزدی جانکاہ ہی مانا بس اب مومن
خدا کے واسطے ذکرِ ستم ہائے بتاں کیجے

اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہے — نہ آئے نعش پہ وہ پر احتمال تو ہے
حنا کے رشک سے کیونکر نہ آئے جوش میں خوں — کسی سبب سے ہو پر وہ بھی پائمال تو ہے
ذرا تھم اے دلِ مضطر کہ فکرِ وصل کروں — شبِ وصل نہ سہی خواب ہی خیال تو ہے
زمیں سے لگ گئیں آنکھیں تمھاری طرح نہیں — شریکِ قتل ہو گردوں کو انفعال تو ہے
کہاں تلک گلہ ہائے تغافلِ قاتل — ہم آپ کاٹ لیں آخر یہ سر وبال تو ہے
جفائے یار کو سونپا معاملہ اپنا — اب آ گئے ہو نہ ہو اُمید انفعال تو ہے
وہ اضطراب کہاں ضعف سے مگر اب بھی — ہو آؤں حضرتِ عیسیٰ تک اتنا حال تو ہے
شبِ فراق میں بھی زندگی پہ مرتا ہوں — کہ گو خوشی نہیں ملنے کی پر ملال تو ہے

عبث ترقیٔ فن کی ہوس ہے مومن کو
زیادہ ہووے گا کیا اس سے بے مثال تو ہے

تسلی دمِ واپسیں ہو چکی — ہمیں ہو چکے جب نہیں ہو چکی
قلق کشتۂ سخت جانی ہی پھر — اُمیدِ اجل آفریں ہو چکی
ملا اس سیہ روز کو بزم میں — شبِ عیش اے مہ جبیں ہو چکی
یہاں دم نہیں شوق سے قتل کر — مرے خوں سے تر آستیں ہو چکی
مری تعزیت میں نہ لا غیر کو — کہاں تک ستم پیشہ کیں ہو چکی
کہو مرگ سے ہاں نوازش کرے — کہ اُس سے زیادہ نہیں ہو چکی

وہ ہمدوش ہوگا کبھی تو غیر سے — مری قسمت اے شانہ بیں ہو چکی

اب اغیار سے ہاتھا پائی ہو کیوں — نزاکت بس اے نازنیں ہو چکی

خیالِ اجل سے تسلی کر دل — یہ طاقت بھی جانِ حزیں ہو چکی

ثوابت ہیں سیارِ مثل شرر — مری آہ کرسی نشیں ہو چکی

جنوں میں بھلا کوئی کیا خاک اڑائے — کہ اک جوش ہی میں زمیں ہو چکی

کہیں ہیں ہے مومن وہ کافر صنم
بس اب پاسبانیِ دیں ہو چکی

دربدر ناصیہ فرسائی سے کیا ہوتا ہے — وہی ہوتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے

اک نظر دیکھنے سے سر تن سے جدا ہوتا ہے — بے جگہ آنکھ لڑی دیکھئے کیا ہوتا ہے

شوق کم ملنے سے اندوہ فزا ہوتا ہے — ہائے پرہیز سے یہ درد سوا ہوتا ہے

چشم خونبار مری آپ نے تلووں سے ملی — ورنہ ایسا بھی کہیں رنگِ حنا ہوتا ہے

جاں بہ لب ہوں خبر وصل سنا دے قاصد — لب ہلاتے ہیں ترے کام مرا ہوتا ہے

ہو کے آزردہ پشیماں ہوں میں جس سے کہوں — وہی کہوے کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہے

دل دیا جس نے وہ ناکام رہا تا دمِ زیست — فی الحقیقت کہ برا کام برا ہوتا ہے

وا رہیں حشر تلک بہر دعا گو لبِ زخم — پر تراحقِ نمک کوئی ادا ہوتا ہے

زہر نوش غم شیریں نے کہا خسرو سے — تلخیِ مرگ میں شکر کا مزا ہوتا ہے

واقعی سجدۂ در ایسے ہی تقصیر ہے اب — جور جو بندہ پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے

اے دل آجانے دے اس زلفِ مسلسل کا خیال — جان کر کوئی گرفتار بلا ہوتا ہے

دل میں اتنا تو سما یا ہے کہ جل جاتا ہوں — سر دو خیز جو انگشت نما ہوتا ہے

ناتوانی مری مت پوچھ کہوں کیا ہمدم — بات کہنے میں مرا دم ہی ہوا ہوتا ہے
چاک پیراہنِ گل پر تو نہ پھول اے بلبل — جامہ یارانِ لباسی کا قبا ہوتا ہے

ہو نہ بیتاب غمِ ہجرِ بتاں میں مومن
دیکھ دو دن میں بس اب فضلِ خدا ہوتا ہے

اجل جاں بلب اُس کے شیون سے ہے — یہ نادم مرے زودِ کشتن سے ہے
وہ بدخواہ مجھ سا تو میرا نہیں — عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے
یہ پردہ نہ ہو نیشِ زنبور کا — مشبک مرا سینہ چلون سے ہے
مرے داغ یاد آئے گل دیکھ کر — کہ بیزار وہ سیرِ گلشن سے ہے
جلانے سے بھی تیرے بیتاب ہوں میں — گلہ نالۂ آتش افگن سے ہے
شبِ غم موے شمع کو دیکھ کر — ہمیں خجلت اُس شوخ بدظن سے ہے
مرا خون کیا بارِ گردن ہوا — کہ بیتاب وہ دردِ گردن سے ہے
کھلائے نہ کیوں سُرمہ گوسالہ کو — خجل سامری چشمِ پُرفن سے ہے
جہاں خاک اُڑائے وہیں دب رہیے — کدورت عبث فکرِ مدفن سے ہے
نئی کچھ نہیں اپنی جانبازیاں — یہی کھیل ہم کو لڑکپن سے ہے
بگڑتے ہو کیا اب بھی کہتا ہوں میں — عیاں صلح پھر کس کی چتون سے ہے

دلِ مومن آتشکدہ کیوں بنے
لگاوٹ یہ طفلِ برہمن سے ہے

ہے دل میں غبار اُس کے گھر اپنا نہ کریں گے — ہم خاک میں ملنے کی تمنّا نہ کریں گے
کیونکر نہ کہیں منتِ اعدا نہ کریں گے — کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے

ہنس ہنس کے وہ مجھ سے ہی مرے قتل کی باتیں
اس طرح سے کرتے ہیں کہ گویا نہ کریں گے

کیا نامہ میں لکھوں دلِ وابستہ کا احوال
معلوم ہے پہلے ہی کہ وہ وا نہ کریں گے

غیروں سے شکر لب سخنِ تلخ بھی تیرا
ہر چند ہلاہل ہو گوارا نہ کریں گے

بیمارِ اجل چارہ کو گر حضرتِ عیسیٰ
اچھا بھی کریں گے تو کچھ اچھا نہ کریں گے

جھنجھلاتے ہو کیا دیجیے اک بوسہ دہن کا
ہو جائیں گے لب بند تو غوغا نہ کریں گے

دیوار کے گر پڑتے ہی اُٹھنے لگے طوفان
اب بیٹھ کے کونے میں بھی رویا نہ کریں گے

گر سامنے اُس کے بھی گرے اشک تو دل سے
کیوں روزِ جزا خون کا دعوا نہ کریں گے

کس وقت کیا مردمکِ چشم کا شکوہ
اے پردہ نشیں ہم تجھے رسوا نہ کریں گے

ناصح کفِ افسوس نہ مل چل تجھے کیا کام
پامال کریں گے وہ مجھے یا نہ کریں گے

اُس کو میں ٹھہرنے نہ دیا جوشِ قلق نے
اغیار سے ہم شکوۂ بے جا نہ کریں گے

گر ذکرِ وفا سے ہی غصہ ہے تو اب سے
گر قتل کا وعدہ ہو تقاضا نہ کریں گے

مومن وہ غزل کہتے ہیں اب جس سے یہ مضموں
کھُل جائے کہ ترکِ درِ بت خانہ کریں گے

توبہ ہے کہ ہم عشقِ بتوں کا نہ کریں گے
وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کریں گے

ٹھہری ہی کہ ٹھہرائیں گے زنجیر سے دل کو
پر برہمیِ زلف کا سودا نہ کریں گے

اندیشۂ مژگاں ہے اگر خوں نے کیا جوش
نشتر سے علاجِ دلِ دیوا نہ کریں گے

گر آرزوئے وصل نے بیمار کیا تو
پرہیز کریں گے پہ مداوا نہ کریں گے

تشبیہ زبس دیتے ہیں لبہائے بتاں کو
مر جائیں گے پر منتِ عیسیٰ نہ کریں گے

پھر جائے نہ تا چشمِ صنم آنکھ کے آگے
سیرِ چمنِ نرگسِ شہلا نہ کریں گے

رکھ لیویں گے پتّھر بگران سنگ دلوں کو — چھاتی سے لگانے کی تمنّا نہ کریں گے

گو دار پہ کھینچیں ہمیں دلدارِ نصاریٰ — پر آرزوئے زلف چلیپا نہ کریں گے

گر حُسنِ گلہ سوز نے پھر آگ لگائی — کیوں آبِ دمِ تیغ سے ٹھنڈا نہ کریں گے

ہے عہد کہ پھر جا نہ پھریں کوئے بتاں میں — پھر جائیں اب اس عہد سے ایسا نہ کریں گے

کہتے ہیں یہ ہم چاٹ کے خاک اس میں ہوں گو خاک — پر اب تو زمیں بوس کلیسا نہ کریں گے

جو قبلہ نما گرچہ تڑپتے ہی کٹی عمر — پر مُنھ سوئے دیرِ صنم آرا نہ کریں گے

اے حضرتِ مومن یہ مسلّم جو ہے ارشاد — بھولے سے بھی اب ذکرِ بتوں کا نہ کریں گے

لیکن جو بتوں نے ہی بھلا آپ سے کی بات
پھر آپ ہی فرمائیں کہ کیا کیا نہ کریں گے

نہ کٹی ہم سے شب جدائی کی — کتنی ہی طاقت آزمائی کی

رشکِ دشمن بہانہ تھا سچ ہے — میں نے ہی تم سے بیوفائی کی

کیوں بُرا کہتے ہو بھلا ناصح — میں نے حضرت سے کیا بُرائی کی

دایم عاشق ہے دل، وہی ستم — دل کو چھینا تو دلربائی کی

آئے وہ دستِ غیر میں دیے ہاتھ — آس تو نے شکستہ پائی کی

گر نہ بگڑے تو کیا بگڑتا ہے — مجھ میں طاقت نہیں لڑائی کی

گھر تو اُس ماہوش کا دور نہ تھا — لیک طالع نے نارسائی کی

مر گئے پر ہے بے خبر صیّاد — اب توقّع نہیں رہائی کی

کوچۂ غیر میں ملا دہ ہمیں — ہرزہ تازی نے رہنمائی کی

دل ہوا خوں خیالِ ناخنِ یار — تو نے اچھی گرہ کشائی کی

مومن آؤ تمھیں بھی دکھلا دوں

سیر بت خانہ میں خدائی کی

شب تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے — کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

پوچھا کسی پہ مرتے ہو اور دم نکل گیا — ہم جان سے عناں بہ عنانِ صدا گئے

پھیلی وہ بو جو ہم میں نہاں مثلِ غنچہ تھی — جھوکے نسیم کے یہ نیا گل کھلا گئے

اے آبِ اشک آتشِ عنصر ہی دیکھنا — جی ہی گیا اگر نفسِ شعلہ زا گئے

مجلس میں اس نے پان دیا اپنے ہاتھ سے — اغیار سبز بخت تھے ہم زہر کھا گئے

اٹھا نہ ضعف سے گلِ داغِ جنوں کا بوجھ — قاروں کی طرح ہم بھی زمیں میں سما گئے

غیروں سے ہو وہ پردہ نشیں کیوں نہ بے حجاب — دھیارے بے اثر مرے پردہ اٹھا گئے

تھی بدگمانی اب انھیں کیا عشق حور کی — جو آ کے مرتے دم مجھے صورت دکھا گئے

تابندہ وجوان تو بختِ رقیب سے — ہم تیرہ روز کیوں غمِ ہجراں کو بھا گئے

بیزار زندگانی کا جینا محال تھا — وہ بھی ہماری لاش کو ٹھوکر لگا گئے

واعظ کے ذکرِ مہرِ قیامت کو کیا کہوں — عالم شبِ وصال کے آنکھوں میں چھا گئے

جس وقت اس دیار سے اغیار ہوا ہوس — بدخوئیوں سے یار کے ہو کر خفا گئے

دنیا ہی سے گیا میں جو ہیں ناز سے کہا — اب بھی گمانِ بد نہ گئے تیرے یا گئے

اے مومن آپ کب سے ہوئے بندۂ بتاں

بارے ہمارے دین میں حضرت بھی آ گئے

از بس جنوں جدائیِ گل پیرہن سے ہے — دل چاک چاک نغمۂ مرغِ چمن سے ہے

سرگرم مدحِ غیر دمِ شعلہ زن سے ہے — دوزخ کو کیا جلن ہے مرے دل کی جلن سے ہے

روزِ جزا نہ دے جو مرے قتل کا جواب ‏ — وہم سخن رقیب کو اُس کم سخن سے ہے

یاد آگیا ذبس کوئی مہروئے مہروش ‏ — اُمید داغ تھا وہ سپہرِ کہن سے ہے

کچھ بھی کیا نہ یار کی سنگیں دلی کا پاس ‏ — سب کا وقتِ رقیب بجا کوہکن سے ہے

اُن کو گمان ہے گرۂ چینِ زلف کا ‏ — خوشبو دہانِ زخم جو مشکِ ختن سے ہے

میں کیا کہ مرگِ غیر پہ دامانِ تر نہ ہو ‏ — وہ اشک ریز خندۂ چاکِ کفن سے ہے

کیونکر نجات آتشِ ہجراں سے ہو کہ مرگ ‏ — آئی تو دور ہی تبِ تابِ بدن سے ہے

خود رفتگی میں چین وہ پایا کہ کیا کہوں ‏ — غربت جو مجھ سے پوچھو تو بہتر وطن سے ہے

رشکِ پری کہے سے عدو کے یہ وحشتیں ‏ — نفرت بلا تمھیں مرے دیوانہ پن سے ہے

داغ جنوں کو دیتے ہیں گل سے ذبس مثال ‏ — میں کیا کہ عندلیب کو وحشت چمن سے ہے

کیوں یار نوحہ زن ہیں کہاں مرگ مجھ کو تو ‏ — لب بستگی تصورِ بوسِ دہن سے ہے

کیا کیا جواب شکوہ میں باتیں بنا گیا ‏ — لو اب بھی دل درست اُسی دلشکن سے ہے

اپنا شریک بھی نہ گوارا کرے بتو
مومن کو ضد یہ کیشِ بد برہمن سے ہے

وہ کہاں ساتھ سُلاتے ہیں مجھے ‏ — خواب کیا کیا نظر آتے ہیں مجھے

اُس پری وش سے لگاتے ہیں مجھے ‏ — لوگ دیوانہ بناتے ہیں مجھے

یا رب اُن کا بھی جنازہ اُٹھے ‏ — یار اُس کو سے اُٹھاتے ہیں مجھے

ابروئے تیغ سے ایسا ہے کہ آ ‏ — قتل کرنے کو بُلاتے ہیں مجھے

بیوفائی کا عدو کی ہے گلہ ‏ — لطف میں بھی وہ ستاتے ہیں مجھے

حیرتِ حسن سے یہ شکل بنی ‏ — کہ وہ آئینہ دکھاتے ہیں مجھے

پھونک دے آتشِ دل داغ مرے | اُس کی یہ یاد دلاتے ہیں مجھے
گر کبھی غمزہ کسے قتل کرے | تو اشارے سے بتاتے ہیں مجھے
میں تو اُس زلف کی بو پر غش ہوں | چارہ گر مشک سونگھاتے ہیں مجھے
شعلہ رو کہتے ہیں اغیار کو وہ | اپنے نزدیک جلاتے ہیں مجھے
جاں گئی پر نہ گئی جور کشی | بعد مُردن بھی دباتے ہیں مجھے
وہ جو کہتے ہیں تجھے آگ لگے | مژدۂ وصل سُناتے ہیں مجھے
اب یہ صورت ہے کہ اے پردہ نشیں | تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے

مومن اور دیر خدا خیر کرے
طور بے ڈھب نظر آتے ہیں مجھے

جذبِ دل زور آزمانا چھوڑ دے | پائے نازک کا ستانا چھوڑ دے
جان سے جاتی ہیں کیا کیا حسرتیں | کاش وہ دل میں بھی آنا چھوڑ دے
حال دکھلاتا ہوں شاید شرم سے | غیر اُس کو منہ دکھانا چھوڑ دے
گوشِ نازک پر کسی کے رحم کر | جوشِ افغاں غل مچانا چھوڑ دے
داغ سے میرے جہنم کو مثال | تو بھی واعظ دل جلانا چھوڑ دے
پردہ کی کچھ حد بھی اے پردہ نشیں | کھل کے مل بس منہ چھپانا چھوڑ دے
ہوں وہ مجنوں گر میں زنداں میں رہوں | فصلِ گل گلشن میں آنا چھوڑ دے
لب پہ حرفِ آرزو کا خوں ہوا | رنگ پاں کا منہ لگانا چھوڑ دے
ہم نہیں اُٹھنے کے تیری بزم سے | پاس غیروں کا بٹھانا چھوڑ دے
اُس دہن کو غنچۂ دل کیا کہوں | ڈر لگے ہے اے مسکرانا چھوڑ دے

آہ میری کب دعائے نوح تھی
چشمِ تر طوفاں اُٹھانا چھوڑ دے

ناتوانی سے نزا کر ہے زیاد
مجھ سے تو دامن چھڑانا چھوڑ دے

گر ہے مومن روزۂ وصلِ بتاں
تو غمِ فرقت بھی کھانا چھوڑ دے

پھر سینہ سوز داغِ غمِ شعلہ فام ہے
پھر گرمجوشیِ دل و سودائے خام ہے

ہر مو پہ پھر ہے طائرِ مجنوں کا آشیاں
پھر فوج فوج سر پہ مرے ازدحام ہے

پھر زیبِ سر ہی شعلۂ داغِ جنوں سے تاج
پھر دلخراش نالہ اثر اہتمام ہے

پھر دل ہے داغ مطلعِ خورشید دیکھ کر
از بسکہ یاد جلوۂ بالائے بام ہے

اُس آہوئے رمیدہ کو پھر ڈھونڈتا ہے دل
رم کردۂ شوقِ وصل پھر اک صید رام ہے

پھر آ گیا ہے کون سے بیباک کا خیال
یہ کیا ہوا کہ رخصتِ ناموس و نام ہے

جاں لوٹتی ہے پھر کہ وہی عیش ہو نصیب
ہم ہیں وہ مستِ ناز ہے اور دورِ جام ہے

جی چاہتا ہے پوچھے کوئی کیا وہ مر گیا
پھر ایک بات کہنے میں قصہ تمام ہے

پھر تلخ کامیوں نے کیا جان و دل سے کوچ
پھر آرزوئے بوسہ کا لب پر مقام ہے

چلون سے کس پری کا نظارا ہوا نصیب
پھر اپنے تنکے چننے کی کیوں دھوم دھام ہے

پھر پردہ در ہی کس کی وہ انگلی ہلال سی
جو مثلِ صبح چاک گریبانِ شام ہے

پھر کس نے مسکرا کے مجھے بے وفا کہا
کیوں کہہ رہا ہوں بندہ تو صاحب غلام ہے

پھر کس نے غیر کو نہ دیا ناز سے جواب
پھر خواہشِ پیامِ اجل کا پیام ہے

دیکھا نگاہِ ناز سے کس شوخ چشم نے
پھر مضطرب نظر کو جہاں نیم گام ہے

کس کم سخن نے دیکھ مجھے آہ کی کہ پھر
اپنے بھی چپکے رہنے میں کچھ کچھ کلام ہے

پھر کس ستم شعار نے پوچھا ہے میرا حال | پھر ناصحوں کو کیوں خطرِ انتقام ہے

پھر کیوں نہ کام ہووے کہ اس کینہ پر کہا | سو بار مجھ کو تم سے تمھیں مجھ سے کام ہے

پھر کچھ صدائے پائے دلِ مُردہ بھی اُٹھا | پھر جلوہ ریز کون قیامت خرام ہے

پھر دوریِ بتاں میں نہیں خواب کا خیال
مومن مرے بھی دین میں سونا حرام ہے

میں احوالِ دل مر گیا کہتے کہتے | تھکے تم نہ بس بس سُنا کہتے کہتے

مجھے چُپ لگی مدّعا کہتے کہتے | رُکے ہیں وہ کیا جانے کیا کہتے کہتے

زباں گنگ ہے عشق میں گوش کر ہے | بُرا سُنتے سُنتے بھلا کہتے کہتے

شبِ ہجر میں کیا ہجومِ بلا ہے | زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

گلہ ہرزہ گردی کا بے جا نہ تھا کچھ | وہ کیوں مسکرائے بجا کہتے کہتے

صد افسوس جاتی رہی وصل کی شب | ذرا ٹھہر اے بے وفا کہتے کہتے

چلے تم کہاں میں نے تو دم لیا ہے | فسانہ دلِ زار کا کہتے کہتے

بُرا ہو ترا اے محرمِ راز تو نے | کیا اُن کو رُسوا بُرا کہتے کہتے

ستم ہائے گردوں مفصّل نہ پوچھو | کہ سر پھر گیا ماجرا کہتے کہتے

نہیں یا صنم مومن اب کفر سے کچھ
کہ خو ہو گئی ہے صدا کہتے کہتے

مشورہ کیا کیجیے چرخِ پیر سے | دن نہیں پھرتے کسی تدبیر سے

کس طرح مایوس ہوں تاثیر سے | دم رُکے ہے نالۂ شب گیر سے

میری وحشت کے لئے صحرائے قیس | تنگ تر ہے خانۂ زنجیر سے

کیوں نہ ٹپکے آب جب ٹپکے لہو — برق کٹتی ہے تری شمشیر سے

وہ مٹا دے نامۂ مضمون وصل — گر ہو خطِ کاتب تقدیر سے

یوں بنا کر حال دل کہنا نہ تھا — بات بگڑی میری ہی تقریر سے

انگلیوں میں خامہ جم کر رہ گیا — نامہ ہائے شوق کی تحریر سے

قہر ہے پھرنا نگاہِ یار کا — الاماں اس بازگشتی تیر سے

وحشتِ چشمِ پری رو دیکھنا — پھر گیا جی سحرِ تسخیر سے

لے گئی جاں یاد رونق ہائے وصل — گھر مرا ویران ہو تعمیر سے

اے صنم مومن ہوں آخر کس طرح
مجھ کو تسکیں ہو تری تصویر سے

کیونکہ پوچھے حال تلخی عاشقِ دلگیر سے — ہو گئے ہیں بند لب شیرینی تقریر سے

جوشِ وحشت کشمکش اُس ناتوانِ دلگیر سے — جو نہ در تک ہو پہنچے صحنِ خانۂ زنجیر سے

کام ہوتے ہیں جوانوں کے سپہر پیر سے — لے گیا ہے پشتِ خم شاید تری شمشیر سے

دوستو لے آؤ قاتل کو کسی تدبیر سے — سر کٹائیں گے کہ اب تو جنگ ہے تقدیر سے

صبح دم جاتا ہے پہلو سے مرے وہ مہ جبیں — دن سیہ ہوتے ہیں کیا کیا مہر کی تنویر سے

وہم میخواری سے دل کو نشۂ بنگ آ گیا — ہوش جاتے ہیں تری بہکی ہوئی تقریر سے

فرطِ ضعف و جوشِ بیتابی ہے میرا حال دیکھ — اشک خوں جاری ہیں چشمِ ہر جوان و پیر سے

ہوں غضب ہے اس کے سرگرمِ فغانِ شعلہ زن — جل گیا جی احتراقِ زہر کی تاثیر سے

لذتِ وحشت سے جلتا ہوں کہیں بھاگے نہ دل — ہیں شاہ آپ کی زلفیں ہٹ زنجیر سے

کام جز الفت نہیں اے کاتبِ اعمال یاں — فائدہ حرفِ مکرر کی بھلا تحریر سے

طوطیاں سیکھیں کہاں سے نالۂ رشک آفریں — ہو نہ زیب پشت آئینہ تری تصویر سے

ہوں سزاوارِ ستم میں نے کیا ہے جرمِ عشق — بوالہوس ہیں بے گنہ پھر کیوں ڈریں تعزیر سے

اے فسونگر چشم جادو پر نہیں چلتا عمل — دیکھنا کبھی چھٹ نہ جائے سرمۂ تسخیر سے

حُسن کی نیرنگیوں سے کم نہیں ارژنگِ عشق — تو بتو جلوہ ملا لو رنگ کی تغییر سے

رشکِ دامانِ جواہر اور لکھی ہے غزل
جس کو مفلس بھی نہ بدلے نسخۂ اکسیر سے

جل گئے اختر یہ کس کی حُسن کی تنویر سے — ہے منور تر شبِ غم مہرِ عالمگیر سے

تھو دیا بے اختیار اُس شوخ نے تاثیر سے — دودِ دل بھی کم نہیں ہے سُرمۂ تسخیر سے

چین ہو خوابِ عدم میں تو کسی تدبیر سے — میری بالش کے لئے پر لا دو اُسکے تیر سے

ہو گئی ساری زمیں صرفِ حروفِ نورِ چشم — اک جہاں ویراں ہوئے تیر نامہ کی تحریر سے

کیوں کہا تھا یہ کہ بکتے بکتے سر پھرنے لگا — اب تو باندھوں گا میں ناصح اسکو بھی زنجیر سے

کیوں نہ مجھ سے رم دہ ہوش اب زیادہ تر کرے — بدگماں ہو سبحۂ سیّارہ کی تسخیر سے

یاسِ مجبوری سے اور شوقِ بیتابیِ خواب — باندھتے ہیں نامہ بالِ ہُدہُدِ تصویر سے

جی رُکے ہے ضبط کرتے کرتے میں تو مر گیا — ناک میں آیا دم اس آہِ ستم تاثیر سے

صبح کیونکر ایک دم میں ہو گئی شامِ فراق — کیا اثر ہوتا تھا تم کو نالۂ شبگیر سے

کہتے ہیں سب یہ رہا آوارہ بعدِ قتل بھی — ہو گئی کتنی مری نام آوری تشہیر سے

اُن کو جلدی جانے کی مجھ کو عذابِ جانکنی — دونوں کا دم ناک میں ہے ہو گئی تاخیر سے

میں نے سوچا آپ اپنے خونِ ناحق کا جواب — نام اُس کا سینے پر لکھا ہے نوکِ تیر سے

غیر کے لکھنے کو تم نے کیا تراشی ہے قلم — ورنہ میری استخواں کیوں ہو گئی قط گیر سے

مار ڈالا ہم کو جورِ گردشِ ایّام نے / بڑھ گئی رات اپنی روزِ حشر کی تقصیر سے

مومن اب پڑھتا ہوں وہ مضمون بسمل کی غزل
شوخیوں کو جس کے دعویٰ ہو رمِ نخچیر سے

ہے فسانہ ساتھ سوئے کب کسی تدبیر سے / نیند آتی ہے ہمارے خواب کی تعبیر سے
ہائے پھر مرنے لگا میں لطف کی تقریر سے / اُس کا دم بھی کم نہ تھا ہرگز دمِ شمشیر سے
بزمِ دشمن سے نہ اُٹھے وہ کسی تدبیر سے / مِل گئے ہم خاک میں محشر تری تاخیر سے
میرے لکھے کو مٹایا آپ نے اچھا ہوا / تھا شگوں ہی مدعا یاں نامہ کی تحریر سے
جائے شربت مرتے دم بھی خوں پلایا ہائے ہائے / مُنہ مرا کھولا ستم پیشہ نے نوکِ تیر سے
ایسے نازک کے شمائل کیوں نہ دل میں نقش ہوں / کھنچ گیا سینہ پہ نقشہ شیر کی تصویر سے
کب لگائے کاسہ گر اُس لب سے جام اس خاک کا / کام ہونے کا نہیں پھر فائدہ تدبیر سے
کاٹتا ہوں عرضِ سوزِ غم میں میں زباں کو دمبدم / میرے دندانِ ندامت کم نہیں گلگیر سے
اے جنوں اپنی اسیری بعد مردن بھی رہی / حلقۂ ماتم میں آئے حلقۂ زنجیر سے
کب ہمارے ساتھ سوتے ہیں کہ دیکھے گا کوئی / اُن کو بیتابی ہے کیوں اس خواب کی تعبیر سے
تم سے وہ کرتا ہے باتیں رشک سے روتا ہوں میں / سچ کہا جھڑتے ہیں موتی غیر کی تقریر سے
نالہ ہائے بوالہوس نے کھو دیا آزارِ شوق / لو ہم اچھے ہو گئے درمانِ بے تاثیر سے
ساتھ ہو نا غیر کے چھوڑا تجھے اے سیمیں بدن / خاک میری ہو گئی نایاب ترا اکسیر سے
عشق اُس قاتل کا بعد قتل بھی ہم کو رہا / ہے یہ کیسا جرم جو جاتا نہیں تعزیر سے

سر پٹکتا ہے خلق میں مومن خانہ خراب
مسجدیں رہتی نہیں کیا فائدہ تعمیر سے

مومن سوئے شرق اُس بتِ کافر کا تو گھر ہے
ہم سجدہ کدھر کرتے ہیں اور کعبہ کدھر ہے

بیہوش ہے عاشق پہ سیہ مست سے کمتر
تم مجھ کو تو کہتے ہو کچھ اپنی بھی خبر ہے

کھاتا ہوں محبت میں اس آداب سے میں گل
گویا شجرِ وادیِ ایمن کا ثمر ہے

حسرت سے میں دیکھوں تو فلک کیوں نگہ نہ ہو رام
اُس نرگسِ جادو کی نگہ پیش نظر ہے

خلا کی مجھے قاصد کو ہے انعام کی خواہش
میں دست نگر خود ہوں وہ کیا دست نگر ہے

ارمان نکلنے دے بس اے بیم نزاکت
ہاں ہاتھ تصور میں مرا زیر کمر ہے

رندوں پہ یہ بیداد خدا سے نہیں ڈرتا
اے محتسب ایسا تجھے کیا شاہ کا ڈر ہے

ایسے دمِ آرام اثر خفتہ کب اُٹھا
ہم کو عبث اُمید دعا ہائے سحر ہے

ہم حال کہے جائیں گے سُنئے کہ نہ سُنئے
اتنا ہی تو یاں صحبتِ ناصح کا اثر ہے

وہ ذبح کرے اور یہاں جان فدا ہو
ایسے سے سنبھلے یوں یہ ہمارا ہی جگر ہے

اب بھی نہیں جاتی ترے آ جانے کی اُمید
گو پھر گئیں آنکھیں پہ نگہ جانبِ در ہے

دل کھول کے مل لیجئے مومن صنموں سے
اس سال میں گر سوئے حرم عزم سفر ہے

--

دل میں اس شوخ کے جو راہ نہ کی
ہم نے بھی جان دی پر آہ نہ کی

پردہ پوشی ضرور تھی اے چرخ
کیوں شبِ بوالہوس سیاہ نہ کی

تشنہ لب ایسے ہم گرے مے پر
کہ کبھی سیرِ عیدگاہ نہ کی

اُس کو دشمن سے کیا بچائے چرخ
جس نے تدبیرِ خلفِ ماہ نہ کی

کون ایسا کہ اُس سے پوچھئے کون
پرسشِ حالِ دادخواہ نہ کی

تھا بہت شوقِ وصل تو نے تو
کمی اے حُسن تا بگاہ نہ کی

عشق میں کام کچھ نہیں آتا ‏ ‏ ‏ گر نہ کی حرص مال و جاہ نہ کی
تابِ کم ظرف کو کہاں تم نے ‏ ‏ ‏ دشمنی کی عدو سے چاہ نہ کی
میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے ‏ ‏ ‏ تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی
محتسب یہ ستم غریبوں پر ‏ ‏ ‏ کبھی تنبیہ بادشاہ نہ کی
گریہ و آہ بے اثر دونوں ‏ ‏ ‏ کس نے کشتی مری تباہ نہ کی
تھا مقدر میں اُس سے کم ملنا ‏ ‏ ‏ کیوں ملاقات گاہ گاہ نہ کی
دیکھ دشمن کو اٹھ گیا بے دید ‏ ‏ ‏ میرے حال پر نگاہ نہ کی

مومن اس ذہن بے خطا پہ حیف
فکر آمرزشِ گناہ نہ کی

بندھا خیالِ جناں بعد ترکِ یار مجھے ‏ ‏ ‏ کیا ہے یاس نے کیا کیا اُمیدوار مجھے
نہ آسمان کا رُخ پھیر دوں جدھر چاہوں ‏ ‏ ‏ دیا ہے کیا طپشِ دل نے اختیار مجھے
وہ شام وعدہ جو آئے تو بے خود و سرمست ‏ ‏ ‏ رہا وصال میں بھی وہ ہی انتظار مجھے
وہ رند خمکدہ کش ہوں کہ زہر دیتے ہیں ‏ ‏ ‏ بتنگ آ کے حریفانِ بادہ خوار مجھے
نہ ہو وہ بات کہ جس سے وفا میں آئے خلل ‏ ‏ ‏ کہیں نہ کیجیو ناصح سے شرمسار مجھے
بقدر جوش تڑپنے کو تھا ولے پس قتل ‏ ‏ ‏ وہ بے قرار ہوئے آ گیا قرار مجھے
اُمید مرگ یہ ہر فتنہ راحتِ جاں ہے ‏ ‏ ‏ شبِ فراق میں کیا بیم روزگار مجھے
قرانِ انجمِ سیارہ برجِ آبی میں ‏ ‏ ‏ ڈبوئے گی مری چشمِ ستارہ بار مجھے
اگر حسابِ وفا امتحان کے بعد نہ ہو ‏ ‏ ‏ قبول عذرِ ستمہائے بے شمار مجھے
شبِ وصال میں سب قطرہ قطرہ مے پی لی ‏ ‏ ‏ رہا نہ وسوسۂ چارۂ خمار مجھے

رقیب کھائے قسم تو وفا کا آئے یقیں
تو میری جان ہے کیا تیرا اعتبار مجھے

نہ سبزہ گل نہ قدح تو نہ تھی اُس کے ساتھ ہوئی
غمِ خزاں ہے نہ کچھ حسرتِ بہار مجھے

پسِ شکستنِ خم زجرِ محتسب معقول
گناہگار نے سمجھا گناہگار مجھے

لبوں پہ جان ہے ایسی بھی کیا ہے بیدردی
نہ قرض دیتے ہو بوسہ نہ مستعار مجھے

نہ کام زور سے نکلا نہ عجز کام آیا
بس اب تو چین دے اے شوق ہرزہ کار مجھے

خدا کرے ملک الموت اُن سے پہلے آ جائے
بہت سی لینی ہیں جانیں لیے نثار مجھے

کئے ہیں طولِ امل نے تمام کام خراب
ہمیشہ نظمِ جہاں کے ہیں کاروبار مجھے

ہر آن آن دگر کا ہوا ہیں عاشق زار
وہ سادہ ایسے کہ سمجھے وفا شعار مجھے

ثواب ترکِ صنم سچ سہی دے مومن
یہ کیا سبب کہ ستاتے ہو بار بار مجھے

دعا بلا تھی شبِ غم سکونِ جاں کے لئے
سخن بہانہ ہوا مرگِ ناگہاں کے لئے

نہ پائے یار کے بوسے نہ آستاں کے لئے
عبث ہیں خاک ہوا میں آسماں کے لئے

خلافِ وعدۂ فردا کی ہم کو تاب کہاں
اُمید یکشبہ ہے یاس جاوداں کے لئے

سُنیں نہ آپ تو ہم بوالہوس سے حال کہیں
کہ سخت چاہیئے دل اپنے رازداں کے لئے

حجاب چرخ بلا ہے ہوا کرے بیتاب
فغاں اثر کے لئے اور اثر فغاں کے لئے

ہے اعتماد مرے بختِ خفتہ پہ کیا کیا
دگرنہ خواب کہاں چشمِ پاسباں کے لئے

مزا یہ شکوہ میں آیا کہ بے مزا ہوئے وہ
میں تلخکام رہا لذتِ زباں کے لئے

لیا ہی دل کے عوض جان لے رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سوداگری زیاں کے لئے

وہ لعل روح فزا دے کہاں تلک مجھ سے
کہ جوش کم ہے یہاں شوق جانفشاں کے لئے

ملے رقیب سے وہ جب تمنا وصال ہوا
دریغ جان گئی ایسے بدگماں کے لئے

کہاں وہ عیشِ اسیری کہاں وہ دامِ قفس
ہے ہمیں برق بلا روزِ آشیاں کے لئے

جنونِ عشق ازل کیوں۔ نہ خاک اُڑائیں ہم
جہاں میں آئے ہیں ویرانۂ جہاں کے لئے

بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے موئے
ہمیں بھی دینی تھی جاں اُس کے امتحاں کے لئے

رواں فزائے سحرِ حلال مومن سے
رہا نہ معجزہ باقی لبِ بتاں کے لئے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

موئے آغازِ الفت میں ہم افسوس
اُسے بھی رہ گئی حسرت جفا کی

کبھی انصاف سے دیکھا نہ دیدار
قیامت اکثر اُس کو میں رہا کی

فلک کے ہاتھ سے میں جا چھپوں گر
خبر لا دے کوئی تحت الثرا کی

شبِ وصلِ عدو کیا کیا جلا ہوں
حقیقت کھل گئی روزِ جزا کی

چمن میں کوئی اُس کو سے نہ آیا
گئی برباد سب محنت صبا کی

کشادِ دل پہ باندھی ہے کمر آج
نہیں خیر آپ کے بندِ قبا کی

کیا جب التفات اُس نے ذرا سا
پڑی ہم کو حصولِ مدعا کی

کہا ہے غیر نے تم سے مرا حال
کہے دیتی ہے بیباکی ادا کی

تمھیں شورِ فغاں سے میرے کیا کام
خبر لو اپنی چشمِ سرمہ سا کی

دیا علم و ہنر حسرت کشی کو
فلک نے مجھ سے یہ کیسی دغا کی

غمِ مقصد رسی تا نزع اور ہم
اب آئی موت بختِ نارسا کی

مجھے اے دل تری جلدی نے مارا
نہیں تقصیر اُس دیر آشنا کی

جفا سے تھک گئے تو بھی نہ پوچھا　　کہ تو نے کس توقع پر وفا کی

کہا اس بت سے مرتا ہوں تو مومن

کہا میں کیا کروں مرضی خدا کی

نہ ربط اس سے نہ یاری آسماں سے　　جفا بہرِ عدو لاؤں کہاں سے

یہ حالت ہے تو کیا حاصل بیاں سے　　کہوں کچھ اور کچھ نکلے زباں سے

قیامت مرتے دم آئی فغاں سے　　جہاں لے کر چلے ہیں ہم جہاں سے

شبِ وصل آپ کا عذرِ نزاکت　　بجا ہے پر نہ مجھ سے نیم جاں سے

بُرا ہے عشق کا انجام یا رب　　بچانا فتنہ آخر زماں سے

رہی شب کی سی بیتابی تو ہر روز　　چُرائیں گے ہم آنکھیں پاسباں سے

وہ آیا خاک پر تو بھی نہ اُٹھے　　ہوئے ہم کیا سُبک خواب گراں سے

مرا بچنا بُرا ہے آپ نے کیوں　　عیادت کی لبِ معجز بیاں سے

ملے دشمن سے کیونکر بے حجاب آپ　　نہ شرم آئی مرے شوقِ نہاں سے

مرے گھر آپ یوں جاتے تھے کس دن　　اُٹھانا مدعا ہے آستاں سے

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر آپ　　تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

گر اپنے وہم ہی سے اُس نے پوچھا　　مرا احوال میرے رازداں سے

نہ بولوں گا نہ بولوں گا کہ میں ہوں　　زیادہ بدگماں اس بدگماں سے

نہ نکلی ہائے یوں بھی حسرتِ دل　　بہے سو بحر چشمِ خونفشاں سے

نہ بجلی جلوہ فرما ہے نہ صیّاد　　نکل کر کیا کریں ہم آشیاں سے

اُٹھے دیوار کیا جب خانۂ غیر　　بنے میرے غبارِ ناتواں سے

ر جہاں سے تنگ تر جنت نہ ہو جائے — بہت حسرت بھرا جاتا ہوں یاں سے

. بُرا انجام ہے آغاز کا بد — جفا کی ہو گئی خو امتحاں سے

خدا کی بے نیازی ہائے مومنؔ

ہم ایمان لائے تھے نازِ بتاں سے
